ماہنامہ محدث بنارس

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر
مولانا عبدالوہاب حجازی

معاون مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی — مولانا عبدالمتین مدنی

عدد مسلسل: ۳۲۸
جلد: ۲۹ ، شمارہ: ۴
جمادی الاولی ۱۴۳۲ھ
اپریل ۲۰۱۱ء

بدل اشتراک

- ہندوستان: 150 روپے
- بیرون ممالک: 40 ڈالر
- فی شمارہ: 15 روپے

مراسلت کا پتہ

دار التالیف والترجمہ
بی ۱۸/۱ جی، ریوڑی تالاب
وارانسی - ۲۲۱۰۱۰

Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

اس شمارہ میں

۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالسلام مدنی	۴
۳-افتتاحیہ	مدیر	۵
۴-فکر وعمل کی لغزشوں میں.....	ڈاکٹر مقتدی حسن ازہر	۶
۵-کتاب الأموال لأبی عبید القاسم..	مولانا اسعد اعظمی	۱۳
۶-مت توڑو-اسے جسے اللہ نے...	مولانا عبدالمتین مدنی	۲۰
۷-شیطان-ایک سرسری مطالعہ	عبدالسمیع محمد ہارون سلفی	۲۴
۸-بدھ مت	مولانا محمد مستقیم سلفی	۲۷
۹-عربی زبان کی تعلیم جدید اصول...	راشد حسن فضل حق مبارکپوری	۳۰
۱۰-اہل جنت کے اوصاف وخصائل...	سعید الرحمٰن عبدالمجید	۳۷
۱۱-اخبار جامعہ	ادارہ	۴۳
۱۲-لجنۃ الثقافۃ کی رپورٹ	خیر الاسلام بحر الحق	۴۴
۱۳-عالم اسلام	ظل الرحمٰن سلفی	۴۵
۱۴-غزل	نیر واحدی	۴۶
۱۵-باب الفتاوی	مولانا نور الہدی سلفی	۴۷

نوٹ : ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

عروج وزوال کے اسباب

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا كُونوا أَنصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّيْنَ مَنْ أَنصَارِيْ إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ فَآمَنَت طَّائِفَةٌ مِّن بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ وَكَفَرَت طَّائِفَةٌ فَأَيَّدْنَا الَّذِيْنَ آمَنُوا عَلَى عَدُوِّهِمْ فَأَصْبَحُوا ظَاهِرِيْنَ﴾ (سورہ صف:۱۴)

اے مومنو! اللہ کے مددگار بن جاؤ جس طرح مریم کے بیٹے عیسی نے حواریوں سے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں میرا کون مددگار بنے گا؟ حواریوں نے کہا ہم اللہ کی راہ میں مددگار ہیں، پس بنی اسرائیل میں سے ایک جماعت تو ایمان لے آئی اور ایک جماعت نے کفر کیا، پس ہم نے ان لوگوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں مدد فرمائی جو ایمان لائے تھے سو وہ غالب آ گئے۔

یہ سورہ صف کی آخری آیت ہے جس میں اللہ تعالی نے ان عیسائیوں کے غلبہ کی بات بتائی ہے، جنہوں نے حضرت عیسی علیہ السلام کے لائے ہوئے دین کی اشاعت میں عیسی علیہ السلام سے اللہ کے دین کے لیے مدد کا وعدہ کیا اور اس کو نبھایا، اور ان لوگوں کے بارے میں جو اگرچہ اہل کتاب تھے مگر عیسی علیہ السلام کا ساتھ نہ دیا اور نہ اللہ کے دین میں مدد کی، ان کو کافر کے نام سے یاد کیا، یہ ایک حقیقت ہے اور اس زمانہ کے لوگ بھی اس کو جانتے تھے، ان کی مثال دے کر اللہ نے مومنین کو حکم دیا، ان حواریوں کی طرح بنو جن کو اللہ نے اس کے دین کی مدد کرنے کے عوض غلبہ عطا فرمایا تھا۔

اسلامی تاریخ شاہد ہے جب تک مسلمانوں نے اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے کام کیا وہ دنیا میں بڑھتے گئے، پھیلتے گئے اور ترقی وغلبہ حاصل کرتے رہے اور دنیا اس کو روک نہ سکی، مگر جہاں سے خودعنانیت اور خودغرضی پیدا ہوئی، ان کا نہ صرف غلبہ گیا بلکہ ذلت وخواری اور پستی ان کو گھیرتی گئیں۔

یہ اللہ کا قانون ہے، اس قانون قدرت میں ملک وحکومت بھی داخل ہے، قوم وملت بھی حتی کہ ذاتی مفاد وذاتی عمل بھی اس کے تابع ہے، قارون کو اللہ نے بہت کچھ دیا، مگر جہاں سے اس کا دماغ پھرا، اور انما أوتيته على علم عندي خود ستائی شروع ہوئی وہ زمین دوز ہو گیا، اس کا خزانہ اس کو بچا نہ سکا۔

آج ہماری قوم بھی ذاتی مفاد، ذاتی سربلندی، ذاتی اثر ورسوخ بڑھانے میں خودغرضی کی طرف جاری ہے، اللہ کے حکم من أنصاري الى الله کو بھول چکی ہے، اگر اس نے اپنے عمل کی اصلاح نہ کی اور اپنے تمام ظاہری وباطنی عمل کو كونوا أنصار الله کے مصداق نہ بنایا تو غلبہ وسربلندی تو کیا، "كبر مقتا عند الله" کی سچائی کے بموجب اللہ کے غضب سے نہیں بچ سکتی۔

اللہ نے ایمان کی دولت دیا ہے تو اس کی حفاظت کی ذمہ داری ہماری ہے، اگر ہم نے غفلت میں اس کے مقتضیات سے منہ موڑا تو بمصداق آیت "وان تتولوا يستبدل قوما غيركم ثم لا يكونوا أمثالكم" ہمارا وجود ہی خطرہ میں پڑ جائے گا۔ کاش ہم اپنے حالات کا جائزہ لیں اور پچھلی قوموں کے انجام سے نصیحت حاصل کریں۔ ☆☆☆

درس حدیث:۱۴۴

میت سے متعلق بعض آداب

تحریر: مولانا عبدالسلام مدنی/استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

عن أم سلمة، قالت: دخل رسول الله على أبي سلمة، وقد شق بصره، فأغمضه، ثم قال: إن الروح إذا قبض تبعه البصر. فضج ناس من أهله، فقال: لا تدعوا على أنفسكم إلا بخير، فإن الملائكة يؤمنون على ما تقولون. ثم قال: اللهم اغفر لأبي سلمة، وارفع درجته في المهديين، واخلُفه في عقبه في الغابرين، واغفر لنا وله يا رب العالمين! وافسح له في قبره، ونوّر له فيه. رواه مسلم (مشكاة ج ١، ص ١٤١)

قال صاحب المرعاةؒ: وأخرجه أيضا أبوداود، وابن ماجه، والبيهقي. (مرعاة ج٥، ص ٣١٢)

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ: ابوسلمہؓ (میرے شوہر کے انتقال کے موقع پر) رسول اللہ ﷺ ان کے پاس آئے، ابو سلمہؓ کی آنکھ کھلی ہوئی تھی، اسے آپ نے ڈھک دیا اور فرمایا: جب روح قبض کر لی جاتی ہے تو نگاہ اس کو دیکھتی رہتی ہے (اس لیے آنکھ کھلی رہ جاتی ہے) حضرت ابوسلمہ کے اہل خانہ میں سے بعض لوگ (یہ سن کر) کچھ بلند آواز سے رو پڑے، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے لیے خیر ہی کی دعاء کرو (ویل، بربادی اور ہلاکت وغیرہ کی نہیں) اس لیے کہ (اس وقت) جو کچھ تم کہتے ہو فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں (یعنی اے اللہ اس کلمہ خیر یا شر کو قبول فرمالے) پھر اللہ کے رسول ﷺ نے دعاء فرمائی: اے اللہ! ابوسلمہؓ کی مغفرت فرما، ہدایت یافتہ (سابقین) میں ان کا درجہ بلند کردے، ان کے پس ماندگان کے بارے میں ابوسلمہ کی نیابت فرما، یارب العالمین! انہیں اور ہم سب کو بخش دے، ان کی قبر کو وسیع بنادے اور اس میں نور اور روشنی کردے۔ (مسلم شریف)

تشریح: حدیث پاک سے چند آداب شرعی کا ثبوت ہوتا ہے: (۱) محتضر (قریب الموت) اور میت کے گھر جانا، (۲) اہل خانہ کا ان کی تیمارداری میں لگا رہنا، (۳) اگر منہ یا آنکھ وغیرہ کھلی ہو تو اسے ڈھک اور بند کردینا، (۵) موت پر اگر اقرباء کی روتے ہوئے کچھ آواز بے اختیار بلند ہوجائے تو کوئی حرج نہیں ہے، (۶) چیخنا چلانا اور نوحہ وماتم ہرگز نہ ہو، (۷) اس موقع پر ہر کلمہ خیر یا ہلاکت وبربادی والے کلمۂ شر پر فرشتے آمین کہتے ہیں، (۸) میت، اور اس کے اہل خانہ کے لیے خصوصا جامع دعاء کرنا، اور مغفرت کی دعاء میں اپنے آپ کو بھی شریک کرلینا، کہ اے اللہ! اس میت کی بخشش فرما، ان کا درجہ نیکوکاروں میں بلند کردے، ان کے اہل وعیال میں ان کی نیابت فرما، ان کی اور ہم سب کی مغفرت فرما، ان کی قبر کو وسیع وکشادہ کردے، اس برزخی آرامگاہ کو منور فرمادے۔

دوسری احادیث میں اور بھی آداب مذکور ہیں، جیسے: (۱) قریب مرگ کو ''لا الہ الا اللہ'' کی تلقین کرنا، عن أبي سعيد وأبي هريرة، قالا: قال رسول الله ﷺ: لقنوا موتاكم: لا إله إلا الله۔ (رواه مسلم)

(۲) وفات کے بعد "إنا لله وإنا إليه راجعون" کے بعد ان الفاظ کا اضافہ کرکے پڑھنا: "اللهم أجرني في مصيبتي، واخلف لي خيرا منها"۔ (رواہ مسلم) یعنی اے اللہ! مجھے میری اس مصیبت پر اجر وثواب سے نواز اور اس کا نعم البدل عنایت فرما۔ (مسلم شریف)

(۳) تجہیز وتکفین سے قبل لاش کو پوری طرح ڈھانک دینا چاہئے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: إن رسول الله ﷺ حين توفي سجي ببردة حبرة۔ متفق عليه۔ یعنی جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا تو آپ کو ایک سوتی دھاری دار یمنی چادر سے ڈھانک دیا گیا تھا۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے گھر مقام سُنح سے نبی ﷺ کے پاس آئے تو روئے انور سے چادر ہٹا کر بوسہ دیا۔ (بخاری شریف)

رب العالمین! ہمیں شریعت کے جملہ فرائض کی پابندی، اور اس کے آداب کا پاس ولحاظ کرنے والا بنا، آمین۔ ☆☆☆

افتتاحیہ

اہل بیت نبی ﷺ سے متعلق اعتدال کا راستہ

(۱) دیگر بہت سے مسائل کی طرح اہل بیت نبی ﷺ کے متعلق بھی امت محمدیہ میں سے بعض گروہوں نے راہ اعتدال سے ہٹ کر غلو اور تقصیر، افراط اور تفریط کی راہیں اختیار کر لیں، اور انہیں کج مج پگڈنڈیوں کو شاہ راہ باور کرانے پر سارا زور صرف کر رہے ہیں، چنانچہ نواصب خوارج نے اہل بیت کو مباح الدم اور کافر قرار دیا اور اسی اساس پر سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جنگ بھی کی، ان اہل تقصیر کے بالمقابل روافض نے اہل بیت کو گناہوں سے معصوم اور بعض نے ان کے متعلق الوہیت اور نبوت وولایت تک کا خیال ظاہر کیا، ان دونوں انتہاؤں کے مقابلہ میں اعتدال کا راستہ اہل سنت والجماعۃ کے پاس ہے جو نہ اہل بیت نبی ﷺ کو مباح الدم، کافر اور مورد سب وشتم گردانتے ہیں اور نہ ہی معصوم عن الخطاء اور ماوراء بشریت اور لائق الوہیت ونبوت سمجھتے ہیں بلکہ:

اگر وہ عصر نبوت کے اہل بیت ہیں تو عام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دو حقوق اور اہل بیت صحابہ کے تین حقوق تسلیم کرتے ہیں، قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں پر صحابہ کرام کے دو حقوق ہیں: ایک ایمان لانے کا حق، دوسرا صحبت نبی کا حق، اور اہل بیت صحابہ کے تین حقوق ہیں: ایک ایمان لانے کا حق، دوسرا صحبت نبی کا حق، تیسرا نبی ﷺ کی قرابت کا حق، البتہ عصر نبوت کے بعد جو اولاد اہل بیت ہیں وہ اہل بیت میں شمار ہوں گے، اس کے لیے احادیث رسول کے دلائل ہیں، مثلاً عظیم الشان مصلح امت حضرت مہدی کے متعلق ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: المهدي من عترتي من ولد فاطمة" (حسن) [ابوداود، ابن ماجہ، طبرانی، حاکم] مہدی میرے اہل بیت اولاد فاطمہ میں سے ہوں گے، ایسے اہل بیت کے مسلمانوں پر دو حقوق ہیں ایک حق ایمان دوسرا حق قرابت، جبکہ دوسرے مسلمانوں کا مسلمانوں پر ایک حق ہے یعنی حق ایمان، عصر نبوت کے اصحاب رسول اہل بیت کے مخصوص فضائل ان کے ساتھ خاص ہیں، فضائل عامہ میں قیامت تک کے اہل بیت داخل ہیں، بشرطیکہ وہ کتاب اللہ قرآن مجید اور سنت محمد رسول اللہ ﷺ کے سچے پیروکار اور علم بردار ہوں، اس لیے کہ اولاد اہل بیت میں سے جو لوگ کتاب اللہ اور سنت رسول کے پیروکار نہ ہوں گے وہ اہل بیت میں شمار نہیں ہوں گے، یہ حقیقت عصر نبوت کے ان لوگوں سے ظاہر ہے جو آپ پر، کتاب الٰہی پر اور آپ کی سنت پر ایمان نہیں لائے، حالانکہ وہ آپ ہی کے خاندان کے تھے جیسے ابولہب آپ کا چچا، ابولہب جیسے لوگوں کے آپ کے اہل بیت میں سے نہ ہونے پر سب کا اجماع ہے، آپ ﷺ کے قرابت داروں میں سے وہی لوگ اہل بیت کہلائے جو آپ پر ایمان لائے۔

اہل بیت کے حق قرابت کے معنی یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے قرابت کی بنا پر مسلمان ان سے محبت کا برتاؤ کریں گے، ان کی مدد کریں گے اور ان سے دوستی رکھیں گے، اور مسلمانوں کے حق ایمان کے معنی یہ ہیں کہ مومن ومسلم ہونے کی بنا پر مومنانہ بھائی چارگی اور اخوت ومحبت کا برتاؤ ان سے کیا جائے گا، حلقۂ ایمان میں منسلک ہو جانے کے بعد کوئی مومن کسی مومن کو حقیر نہیں گردانے گا اور شرف نسب کی بنا پر کبر وغرور میں مبتلا ہو کر دیگر کم نسب مسلمانوں کی تذلیل وتحقیر نہیں کی جائے گی، اس لیے کہ قرآن

مجید میں اللہ تعالی نے تمام امت کے لیے ایک عام قاعدہ وضابطہ کا اعلان کیا ہے کہ: ﴿ان أكرمكم عند الله أتقاكم﴾ (الحجرات:۱۳) یعنی تم لوگوں میں سے سب سے باعزت اللہ کے نزدیک اللہ سے زیادہ ڈرنے والے ہیں، ایک متفق علیہ حدیث میں ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ نے اس آیت کے معنی کو واضح فرمایا ہے، حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ سب سے زیادہ معزز انسان کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: "ان أكرمكم عند الله أتقاكم" آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ: میری طرف وحی کی گئی ہے کہ: خاکساری اختیار کرو تا آں کہ کوئی کسی پر نہ فخر کرے اور نہ کوئی کسی پر زیادتی کرے۔ (مسلم)

اہل السنۃ والجماعۃ کا اہل بیت سے متعلق یہ معتدل راستہ ہے جو قیامت تک کے لیے ہے، غلو اور تقصیر کی دونوں انتہائیں کتاب وسنت کے اس معتدل صراط مستقیم سے انحراف ہیں۔

(۲) یہ بات کہ نبی ﷺ کے اہل بیت یعنی گھر گھرانے والے کون ہیں؟ اس تعلق سے قرآن مجید کی تصریح کے مطابق ہمارے نبی کی ازواج مطہرات امہات المؤمنین آپ کے اہل بیت میں بے شبہ داخل ہیں، صحیح احادیث رسول سے حضرت علی، فاطمہ بنت الرسول، حسن اور حسین اہل بیت میں شامل ہیں، ان کے علاوہ جن پر صدقہ لینا حرام ہے یعنی بنو ہاشم اور بنو مطلب، آل علی، آل جعفر، آل عقیل اور آل عباس شامل ہیں، ازواج مطہرات امہات المومنین کے اہل بیت میں سے ہونے کے متعلق نص قرآنی یہ ہے: ﴿وقرن في بيوتكن، ولا تبرجن تبرج الجاهلية الأولى، وأقمن الصلاة، وآتين الزكاة وأطعن الله ورسوله، انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت، ويطهركم تطهيرا﴾ (الاحزاب:۳۳) یعنی اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم جاہلیت کے زمانہ کی طرح اپنے بناؤ کا اظہار نہ کرو، اور نماز ادا کرتی رہو اور زکاۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت گزاری کرو، اللہ تعالی یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کی گھر والیو! تم سے وہ ہر قسم کی گندگی کو دور کردے اور تمہیں خوب پاک کردے۔

صلح حدیبیہ کے بعد نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد آپ ﷺ سے مناظرہ کے لیے آیا، ان کا موقف تھا کہ عیسی اللہ کے بیٹے ہیں، ہمارے نبی نے دلائل سے ثابت کیا کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، مگر وہ لوگ اپنے اصرار پر قائم رہے، تو اللہ نے قرآن کی آیت مباہلہ نازل فرما کر ہمارے نبی کو ان کے ساتھ مباہلہ کی دعوت دی، وہ آیت یہ تھی: ﴿فقل تعالوا ندع أبناء نا وأبنا ء كم ونساء نا ونساء كم وأنفسنا وأنفسكم، ثم نبتهل فنجعل لعنة الله على الكاذبين﴾ (آل عمران:۶۰) یعنی آؤ ہم اور تم اپنے اپنے بیٹوں، اپنی اپنی عورتوں کو اور خاص اپنی اپنی جانوں کو بلالیں، پھر ہم عاجزی کے ساتھ التجا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کریں۔

صحیح حدیثوں میں تفصیل ہے کہ اس موقع پر: "دعا رسول الله ﷺ عليا وفاطمة وحسنا وحسينا، فقال اللهم هؤلاء أهلي" (مسلم:۲۴۰۴) یعنی رسول اللہ ﷺ نے علی، فاطمہ، اور حسن وحسین کو بلایا اور فرمایا اے اللہ یہ میرے گھر والے ہیں۔

ان صحیح اور ٹھوس دلائل کے ہوتے ہوئے اہل بیت کے متعلق رد وکد راہ اعتدال سے انحراف ہے، آل علی وآل عقیل وآل جعفر وآل عباس کے متعلق بھی احادیث صحیح مسلم وغیرہ میں ثابت وواردہیں۔ ☆☆☆

فکروعمل کی لغزشوں میں شیخ الاسلامؒ کی رہنمائی

ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری رحمہ اللہ

فکر اسلامی کا تصوف

''اسلامی فکر'' مسلمانوں کی ذہنی وعقلی کاوش کا نام ہے، اس کا وجود اسلام کے بعد عمل میں آیا ہے، اور یہ اسلام کی طرح تحریف وخطا سے محفوظ ومبرا نہیں، مسلمانوں کی عقلی وذہنی ترقی کے ساتھ ساتھ اسلامی فکر میں ترقی ہوتی رہی ہے، اور اسی طرح زوال وانحطاط کا اثر بھی اس پر ہوا ہے۔

ابتداء میں اسلامی فکر کی بنیاد اجتہاد پر تھی اور اس میں سچائی اور ترقی کا وصف نمایاں تھا، پھر جب اس فکر میں تبدیلی پیدا ہوئی تو اس کا رخ بیرونی فکر کی جانب ہوگیا، اور اجتہاد پر توجہ کم ہوگئی، مختلف نظریات ورجحانات کا امتزاج ہوا، یونانی، مشرقی اور برہمنی افکار کا عربی ترجمہ ہوا تو مسلمانوں کو بھی الٰہیات، طبیعیات، زاہدانہ اور اشراقی علوم سے واقفیت ہوئی، اور اسی وقت سے تصوف، سحر، طلسمات اور حروف کے خواص سے متعلق علوم بھی پیدا ہوئے، دیگر زبانوں سے جو ترجمے ہوئے اس کا اثر اسلامی علوم پر بھی پڑا، عقیدہ وعمل کے جملہ گوشے کسی نہ کسی طرح خارجی فکر کے اثر میں آئے، مشرق کے تصوف وزہد کے ترجمہ کے بعد اسلامی فقہ کے مقابل اسلامی تصوف رونما ہوا اور اس نے اسلام دشمن رجحان اختیار کرلیا۔

تصوف کی ایک شکل تو وہ تھی جس میں ایمان وطاعت اور مجاہدہ ومحاسبہ کو بنیادی حیثیت حاصل تھی، لیکن خارجی فکر کے اثرات جب نمایاں ہوئے تو تصوف کی جو شکل پیدا ہوئی اس سے اسلام کی تعلیمات واحکام کو مسخ کرنے کے سوا کوئی مقصد حاصل نہیں ہوا، تصوف میں قطب کا جو نظریہ پیدا ہوا اس کے فساد کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ قطب میں اللہ تعالی کی روح کا حلول مانا جاتا ہے، اور یہ کہ وہ معصوم ہے، شرعی احکام اس سے ساقط ہیں، اس کو وسیلہ بنانا ضروری ہے، انسانیت کی نجات کا وہی مرکز ہے۔

بعض متاخرین صوفیاء نے وحدت شاملہ اور تجلی کا عقیدہ ایجاد کیا جس کی رو سے پوری کائنات عین اللہ ہے۔

رائے، کلام اور تصوف کا ظہور

اموی حکومت کے اواخر اور عباسی حکومت کے اوائل دور میں جمہور تبع تابعین گذر چکے تھے، اور بہت سے عجمی لوگ اقتدار میں شریک تھے، اس دور میں ایران، ہندوستان اور روم کی بعض عجمی کتابوں کے عربی ترجمے ہوئے، نبی ﷺ کا یہ فرمان صادق تھا کہ: ''پھر جھوٹ پھیل جائے گا، انسان بغیر طلب شہادت دے گا اور بغیر طلب قسم کھائے گا''۔

ان حالات میں تین مسائل کا ظہور ہوا یعنی: رائے، تصوف اور کلام۔

اسی طرح جہمیت اور تمثیل کے نظریے بھی سامنے آئے۔

اہل رائے کا بڑا طبقہ کوفہ سے تعلق رکھتا تھا، وہاں پر تشیع اور جھوٹ کے ساتھ ہی رائے کا غلبہ تھا، وہاں حدیث وفقہ کے سچے عالم وعابد بھی یقیناً موجود تھے، لیکن اس کے ساتھ ہی روایت میں جھوٹ، فقہ میں رائے اور اصول میں تشیع کی کثرت

تھی''۔(فتاوی ابن تیمیہ ۱۰/۳۵۸)

تدریجی بگاڑ

رائے ،کلام اور تصوف کے ماننے والوں میں تدریجی طور پر خرابی کس طرح پیدا ہوئی ،اس کے متعلق شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں:

''رائے ،کلام اور تصوف وضع کرنے والے متقدمین عصر نبوت سے قربت اور انوار نبوت کے ظہور کے باعث اپنے کلام میں کتاب ،سنت اور آثار کو شامل کیا کرتے تھے۔

لیکن متاخرین میں اکثر لوگوں نے متقدمین کے اس طرح کے مسائل کو نکال دیا، متکلمین نے کتاب وسنت سے اعراض کر کے صرف بدعتی اصولوں کو ذکر کیا، اہل الرائے نے کتاب وسنت کو چھوڑ کر صرف اپنے ائمہ واصحاب کی آراء کو ذکر کیا، تصوف پر لکھنے والوں نے صحابہ وتابعین کے طریقوں کو چھوڑ کر متاخر زاہدوں سے مروی اقوال وآراء کو اصل قرار دیا''۔(فتاوی ابن تیمیہ ۱۰/۳۶۷)

عبادات میں بدعت کے برے اثرات

بدعت دینی زندگی کے جس شعبہ میں داخل ہوتی ہے اپنے برے اثرات پیدا کرتی ہے، اور بندہ کو اصل دین سے متنفر کر کے ہلاکت وگمراہی کی راہ پر ڈال دیتی ہے، ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

''عبادات میں بدعت کرنے والوں کے سامنے شیطان ان عبادتوں کو مزین کر کے پیش کرتا ہے، اس کے نتیجے میں وہ شرعی راہ حتی کہ قرآن وحدیث کے علم کو ناپسند کرنے لگتے ہیں اور قرآن وحدیث کو سننا بھی پسند نہیں کرتے ،ان میں اتنی شدت پیدا ہو جاتی ہے کہ علم اور کتاب بلکہ قرآن بھی ناپسند کرنے لگتے ہیں، سری سقطیؒ کا بیان ہے کہ مذکورہ لوگوں میں سے ایک شخص میرے پاس آیا اور قلم ودوات دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور بیٹھا نہیں، جبکہ جنیدؒ جیسے معروف صوفی کا قول ہے کہ ہمارا یہ قول کتاب وسنت پر مبنی ہے، اگر کسی نے قرآن نہ پڑھا ہو اور حدیثیں نہ لکھی ہوں اس کی پیروی نہیں کی جائے گی''۔(فتاوی ابن تیمیہ ۱۰/۴۱۱)

معیار حق کون ہے؟

کتاب وسنت میں اس بات کی صاف طور پر وضاحت کر دی گئی ہے کہ عقیدہ وعمل میں مسلمان کون سا اسوہ ونمونہ اپنے سامنے رکھیں اور حق وباطل کو پرکھنے کے لیے کس معیار وکسوٹی پر بھروسہ کریں۔

لیکن امت کی تاریخ کا سب سے بڑا المیہ یہی ہے کہ بہت سے لوگ اس تعلیم سے غافل ہو گئے اور اسلام کے مقرر کئے ہوئے معیار کو چھوڑ کر دوسری شخصیات اور ان کے اقوال ونظریات کو معیار بنا لیا، اسی سے امت میں افتراق واختلاف پیدا ہوا اور آج تک یہ سلسلہ باقی ہے، حق کو پرکھنے کے لیے اگر اسلام کا بتایا ہوا معیار اختیار کیا جاتا تو کبھی ایسی صورت نہ پیدا ہوتی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ شریعت کی اسی کسوٹی کا ذکر کرتے ہوئے جادۂ حق سے بھٹکنے والوں کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

''سب سے افضل طریقہ اور اللہ تعالی تک پہنچنے کا راستہ وہ ہے جس پر نبی ﷺ اور اصحابؓ تھے۔

اگر کسی نے علماء وفقہاء یا عباد وزہاد میں سے کسی کے طریقہ کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقہ سے افضل جانا تو وہ خطا کار،

گمراہ اور بدعتی ہے۔(فتاوی ابن تیمیہ ۱۱/۱۴)

ائمہ وشیوخ کی جانب نسبت

مسلمان رسول اکرم ﷺ کی رسالت کا کلمہ پڑھتا ہے اور قرآن کریم کے مطالبہ کے مطابق آپ ﷺ کی اتباع کا اقرار کرتا ہے، اس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ صرف آپ ﷺ کی ذات ہے، کوئی امتی نبی کریم ﷺ کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا، اسوہ صرف آپ ﷺ کا مشروع ہے، اسی لیے امتی کو یہ بھی مناسب نہیں کہ شریعت پر عمل کے لیے کسی پیر یا شیخ سے خصوصیت کے ساتھ مربوط ہوجائے اور صرف اسی کو محترم اور مقتدا مانے۔

امت میں رسول اکرم ﷺ اور دیگر ائمہ وشیوخ کی جانب انتساب کا سلسلہ بعد کے ادوار میں شروع ہوا اور آج تک جاری ہے، کہیں کہیں یہ انتساب ایسی متعصّبانہ اور غلو آمیز شکل اختیار کرلیتا ہے جس سے اندیشہ ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے لیے جس عقیدت واحترام اور اتباع واطاعت کا حکم ہے، اس کی خلاف ورزی نہ ہورہی ہو۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے زمانہ میں بھی یہ مرض امت میں موجود تھا، جس سے یقیناً رسول اکرم ﷺ کی شان رسالت اور مطاع ہونے کی حیثیت پر حرف آتا تھا، اس لیے شیخ الاسلامؒ نے اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے:

''کسی جماعت کے کسی متعین شیخ کی طرف انتساب کا مسئلہ اس حیثیت سے قابل غور ہے کہ بلاشبہ لوگوں کو ایسے شخص کی ضرورت ہے جس سے وہ قرآن وایمانی احکام ومسائل سیکھیں، جس طرح صحابہؓ سے سیکھا تھا، اسی طرح بعد کے لوگ پہلے والوں کی صحیح اتباع کرتے ہیں، جس کا ذکر قرآن میں موجود ہے، جس طرح آدمی قرآن سکھانے والے کا محتاج ہوتا ہے، اسی طرح دین کا ظاہر وباطن سکھانے والے کی بھی اسے ضرورت ہے، لیکن اس کے لیے کسی مخصوص شیخ کی جانب انتساب کی کوئی ضرورت نہیں، جس سے مذہبی فائدہ حاصل ہو وہی شیخ ہے، یہ بھی غلط ہے کہ کسی مخصوص شیخ کی جانب انتساب کے بعد صرف اسی کے ساتھ عقیدت ومحبت کا اظہار کیا جائے، اور دیگر ائمہ ومشائخ کے ساتھ دشمنی یا بدعقیدگی ظاہر کی جائے، البتہ ایمان وتقوی میں جس شیخ کا درجہ جس قدر بلند ہو اسی اعتبار سے اس کے ساتھ محبت وعقیدت ہونی چاہئے۔(فتاوی ابن تیمیہ ۱۱/۵۱۱)

اسلام میں شرعی احکام کی مخالفت کی کوئی گنجائش نہیں

شیطان کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں اور بندگان حرص وہوا کے ہتھکنڈوں کا کوئی شمار نہیں، ہر دور میں اور ہر جگہ باطل پرست، سادہ لوح مسلمانوں کو فریب دے کر اپنے مقاصد حاصل کرتے ہیں اور شریعت کی تعلیمات کو پامال کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کے دجل وفریب کی ایک صورت یہ ہے کہ شرعی احکام کی مخالفت کو اپنے لیے جائز قرار دیتے ہیں، اور لوگوں میں یہ تاثر پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اللہ کے ولی ہیں، اس لیے ان کے لیے شریعت کی پابندی ضروری نہیں۔

شیخ الاسلامؒ اسی دجل وفریب کا پردہ چاک کرنے کے لیے فرماتے ہیں:

''اسلام کی ایک اصل رسولوں پر ایمان ہے، اگر کوئی محمد ﷺ کی رسالت عامہ پر ایمان نہ رکھے، آپ ﷺ کی پیروی کو واجب نہ سمجھے، آپ کے حلال بتائے ہوئے کو حلال اور حرام بتائے ہوئے کو حرام نہ مانے اور آپ ﷺ کی بتائی ہوئی شریعت کو

دین نہ سمجھے تو ایسا شخص یقیناً کافر ہے۔

شریعت محمدی سے خروج کو جائز سمجھنا گمراہی اور باطل پرستی ہے، اس دعوی کو زاہد وعابد انسان بھی پیش کرے تو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ (فتاوی ابن تیمیہ ۱۱/۵۲)

مقام ولایت اور اتباع شریعت

اسلام نے یہ صراحت کردی ہے کہ بندہ کی عظمت اور اللہ تعالی سے اس کی قربت کا اصل راز شرعی احکام وتعلیمات کی پابندی ہے، انسان کو اس وقت تک کوئی مقام ومرتبہ نہیں حاصل ہوسکتا، جب تک کہ وہ شریعت کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق اپنے عقیدہ وعمل کو نہ ڈھالے، یہ تصور سراسر فاسد اور اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے کہ شریعت کے احکام کا مخالف کوئی شخص ولایت کے مقام تک پہنچ سکتا ہے اور اس مقام پر پہنچنے کے بعد انسان سے شرعی احکام ساقط ہوجاتے ہیں، اور اسے کسی عمل کے بغیر ہی اللہ کا قرب حاصل رہتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اس خیال فاسد کی بڑے معقول ومدلل انداز میں تردید کی ہے، فرماتے ہیں:

بندہ مومن ومتقی بنے بغیر اللہ کا ولی نہیں بن سکتا، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿ألا إن أولياء الله لا خوف عليهم ولا هم يحزنون، الذين آمنوا وكانوا يتقون﴾ (یعنی اللہ کے اولیاء کو کوئی ڈر اور غم نہ ہوگا، وہ جو ایمان لائے اور تقوی اختیار کیا) تو معلوم ہوا کہ کفار اور منافقین میں سے کوئی ولی نہیں ہوسکتا۔

اگر کوئی شخص نیکی کے کام انجام دے کر اور برائیاں ترک کرکے اللہ تعالی کا تقرب نہ حاصل کرے وہ اللہ کا ولی نہیں ہوسکتا۔

اگر کوئی ولایت کا دعوی کرے اور فرائض ادا نہ کرے، حرام کاموں سے نہ بچے بلکہ اس کے مخالف کاموں کا ارتکاب کرے، اس کو اللہ کا ولی نہیں کہا جاسکتا۔ (فتاوی ابن تیمیہ ۱۱/۱۹۰، ۱۹۱)

اتباع شریعت سے گریز کا بہانہ

اہل بدعت شرعی احکام سے گریز کے لیے طرح طرح کے سہارے ڈھونڈھتے ہیں، تصوف کی اصطلاحات کا ذکر کرتے ہیں، کبھی خلاف عادت امور کی بنیاد پر اپنی بات ثابت کرنا چاہتے ہیں اور کبھی مرتبہ ولایت وخلت کا نام لے کر شریعت سے گریز کے رجحان کو خوبصورت رنگ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

کم علم عوام کو اس طرح کی تلبیس اور فریب دینے والے باطل پرستوں سے محفوظ رکھنا اور شریعت کی صحیح راہ پر لگانا بہت مشکل کام ہے، کیونکہ بعض اوقات حق کا داعی اپنی بات کی ایسی محسوس دلیل نہیں پیش کرپاتا جیسی اہل بدعت پیش کرتے ہیں اور نہ کسی ایسی ''مصنوعی کمائی'' کے اظہار پر قدرت ہوتی ہے، لیکن دین اسلام کے تحفظ کے لیے اللہ تعالی نے اپنے کچھ ایسے بندوں کو بھی دنیا میں پیدا کیا جو باطل پرستوں کی تلبیس کی تمام چالوں سے واقف اور ان کی تلبیس کے تمام چیلنجوں کو قبول کرنے کے لیے تیار تھے، اور انہوں نے دنیا کے سامنے حق کو بدعت وگمراہی کی چالوں پر غالب کیا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا شیخ احمد بن رفاعی کے طریقہ کے پیروفرقۂ بطائحیہ سے جو مناظرہ ہوا تھا اس میں اس طرح کے دجل وفریب کی حقیقت اچھی طرح واضح ہوئی تھی اور شیخ الاسلام نے اپنی ایمانی بصیرت وجرأت سے اس باطل

پرست فرقہ کے تمام دعاوی کو خاک میں ملا دیا تھا۔

باطل پرست صوفیاء اپنی برتری ثابت کرنے کے لیے احوال، مجالس ومدارس اور باطن وظاہر وغیرہ خود ساختہ اصطلاحات کا سہارا لیتے ہیں، اوراس طرح شرعی احکام سے گریز کی راہ ڈھونڈھتے ہیں، مناظرہ میں جب اس طرح کے الفاظ شیخ الاسلامؒ کے سامنے آئے تو انہوں نے ایمانی بصیرت کے ساتھ جواب دیا کہ:

''مجالس ومدارس، ظاہر وباطن، شریعت وحقیقت اوراس طرح کے دوسرے تمام الفاظ کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا جائے گا، کسی کو اللہ کی کتاب اور رسول اکرم ﷺ کی سنت کی مخالفت کا اختیار نہیں خواہ وہ شیخ ہو یا فقیر، بادشاہ ہو یا امیر، عالم ہو یا قاضی، تمام مخلوقات پر اللہ تعالی اور رسول اکرم ﷺ کی اطاعت واجب ہے۔

باطل پرستوں کی ایک تلبیس میں ان کا یہ دعوی تھا کہ آگ ان کو نقصان نہیں پہنچا سکتی، شیخ الاسلام نے ان کو چیلنج کیا کہ آگ کا جو کرتب تم دکھاؤ گے میں بھی اسی طرح کا کام انجام دوں گا، جو جل جائے گا اسے مغلوب قرار دیا جائے گا، لیکن شیخ الاسلام نے یہ شرط لگائی کہ آگ میں داخل ہونے سے پہلے ہر ایک اپنے جسم کو سرکہ اور گرم پانی سے دھولے گا، کیونکہ باطل پرست جسم پر ایسے تیل اور اجزاء لگا لیتے تھے جس سے آگ کا اثر نہیں ہوتا تھا، اوراس فعل کو لوگ ان کی کرامت اور کمال تصور کرتے تھے، ابن تیمیہؒ نے ان سے فرمایا کہ: کسی لمبے انتظام کی ضرورت نہیں، ابھی قندیل جلائی جائے اور دونوں فریق اپنی اپنی انگلیاں دھودھو کر اس کی لو پر رکھ دیں، جس کی انگلی جل جائے وہ ملعون ومغلوب مانا جائے گا، باطل پرست مناظر اس شرط پر تیار نہ ہوا اور سب کے سامنے اس کی رسوائی ہوئی۔

پھر شیخ الاسلام نے بطور افہام ونصیحت ان کے سامنے یہ حقیقت واضح فرمائی:

''بالفرض تم آگ میں داخل ہو کر صحیح سالم نکل آؤ، ہوا میں پرواز کرو، پانی پر چلو یا اس طرح کا کوئی بھی کرتب دکھاؤ اس سے احکام شریعت کی مخالفت کے لیے جواز کا پہلو ہرگز نہیں نکلتا، نہ شریعت کا کوئی حکم اس طرح کے خلاف عادت کام سے منسوخ ہوگا کیونکہ دجال کے متعلق مذکور ہے کہ وہ آسمان سے پانی برسائے گا، زمین سے پودا اگائے گا، ویرانہ سے خزانہ نکالے گا، انسان کو قتل کر کے پھر زندہ کر دے گا، پھر بھی وہ جھوٹا اور ملعون ہی رہے گا، اس لیے یزید بسطامیؒ کہا کرتے تھے کہ اگر تم کسی کو ہوا میں اڑتے یا پانی پر چلتے ہوئے دیکھو تو اس سے دھوکہ نہ کھاؤ جب تک یہ معلوم نہ کر لو کہ شریعت کے اوامر ونواہی سے متعلق اس کا رویہ کیا ہے''۔

شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ: ''میری اس تقریر کے بعد باطل پرستوں نے امیر سے درخواست کی کہ ہمارے مابین صلح کرادے، لیکن میں آگ کی کرامت کے اظہار کا برابر مطالبہ کرتا رہا مگر وہ لوگ کتراتے رہے، حاضرین نے جب یہ منظر دیکھا تو کہنے لگے کہ: حق غالب ہوا، باطل پرستوں کی چال ناکام ہوئی اور وہ ذلیل ہو گئے''۔ (فتاوی ابن تیمیہ ۱۱/۴۶۶)

عجائب وکرامات سے دھوکہ کھانا غلط ہے

عام طور پر لوگ خلاف عادت کام کو دیکھ کر ایسا کرنے والے کے بارے میں غلط عقیدہ کا شکار ہو جاتے ہیں، اوراس شخص کو ولی یا مقرب ماننے لگتے ہیں، اور پھر اسی کے اشارہ پر بہت سے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں، شریعت مطہرہ کے

صاف اورصریح احکام کے ہوتے ہوئے خواہشات کی پیروی کرنے والے باطل پرستوں کے دام سے محفوظ رہنا بڑی بات ہے، ایسے غلط کارلوگوں کے سامنے جب بھی قرآن وسنت کی صحیح اور واضح تعلیمات پیش کی جاتی ہیں تو وہ جھٹ ان خلاف عادت کاموں کا بطور کرامت ذکر کرنے لگتے ہیں جن کا ظہور دین کے نام پر تجارت کرنے والوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ لوگ برحق اور اللہ کے مقرب ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ان تلبیس کاروں کا تفصیل سے ذکر کرکے مدلل طور پر ان کا رد کیا ہے، فرماتے ہیں:

''یہ شرک ہے کہ بندہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کو پکارے، مثلاً خوف، بیماری، فاقہ وغیرہ حالات میں مردوں یا غائب لوگوں کو پکارنا اور ان سے مدد طلب کرنا، ایسا کام شرک ہے اور اللہ اور رسول کی طرف سے اس کے حرام ہونے پر سب مسلمان متفق ہیں۔

اس طرح کا شرک کرنے والوں کے سامنے کبھی کبھی شیخ کی صورت ظاہر ہوتی ہے، مشرک سمجھتا ہے کہ اس کا شیخ یا کوئی فرشتہ ہے، لیکن درحقیقت شیطان اس کے شیخ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، اور اس آدمی کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے، کیونکہ غیر اللہ کو مدد کے لیے پکارنے کی وجہ سے شیطان کو اس پر قابو مل جاتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ ایسے آدمی کو گمراہ کرنا آسان ہے جو مشرکین بتوں کی پوجا کرتے تھے، ان کو بھی اس طرح کے حالات سے سابقہ تھا، شیطان ان کے سامنے ظاہر ہوتا ہے، اور غیب کی بعض باتوں کی خبر بھی دیتا ہے، لیکن پھر بھی اس میں ایسی باتیں ہوتی ہیں جن سے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ یہ شیطانی حرکت ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿هل أنبئكم على من تنزل الشياطين؟ تنزل على كل أفاك أثيم﴾ (میں تمہیں بتلاؤں کہ شیاطین کن لوگوں پر نازل ہوتے ہیں؟ وہ ہر ایک دروغ گو بدکردار پر اترتے ہیں۔) (سورۃ الشعراء)

اس طرح کے جھوٹے اور فریب کار ہندوستان، ترکی اور حبشہ کے مشرکوں میں بہت زیادہ ہوتے ہیں، ان میں کچھ اسلام کے دعویدار بھی ہوتے ہیں، یہ مٹی کو زعفران یا خون وغیرہ میں بدل دیتے ہیں، آگ میں اتر جاتے ہیں، سانپ کو کھا جاتے ہیں، اپنی چیخ سے کسی کو بیمار اور کسی کو مردہ بنا دیتے ہیں۔

اس طرح کے حالات اس وقت ظاہر ہوتے ہیں جب وہ شیطان کے بتائے ہوئے کام انجام دیتے ہیں۔

ایسے بدعتی اور کتاب وسنت کے مخالف لوگوں کے مذکورہ حالات کو نیک لوگوں کی کرامت سمجھنا غلط ہے، ایسی کرامت کا ظہور صرف متقیوں سے ہوسکتا ہے، جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور تقوی کی زندگی اختیار کرتے ہیں، اللہ کے ولی وہی ہوسکتے ہیں جو متقی ہوں، اور کتاب وسنت کی پیروی کریں۔

بدعتی اور مشرک لوگوں سے جن تعجب انگیز کاموں کا ظہور ہوتا ہے ان کی حقیقت ان احوال جیسی ہے جن کا ذکر مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی وغیرہ کے بارے میں ملتا ہے، ان کے بھی شیطان تھے جو مختلف امور کی خبریں دیتے تھے اور جھوٹوں کی مدد کرتے تھے۔

تلبیس کار مختلف قسم کے روغن یا دوائیں لگا کر خلاف معمول حرکات واعمال کا اظہار کرتے ہیں، یا کسی چیز کو چھپا کر پھر ظاہر کرتے ہیں اور شعبدہ بازوں کی طرح ہاتھ کی صفائی سے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔

ایسے دجل وفریب والوں کا مقابلہ نیک مومن ایمان اور عمل صالح کی قوت سے کرسکتے ہیں، لیکن جن کا ایمان کمزور اور عمل معمولی ہوگا وہ ان فریب کاروں کے پھندے میں پھنس جائیں گے۔

مومن کو ایسے جھوٹوں سے ڈرنا نہیں چاہئے، نہ قرآن وسنت کے کسی حکم کی خلاف ورزی کرنا چاہئے، اور ہمیشہ قرآن کریم کی بتائی ہوئی دعا کا ورد کرنا چاہئے: حسبنا الله ونعم الوكيل۔ (فتاوی ابن تیمیہ ۱۱/۶۶۳، ۶۶۹)

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

''کسی کو ولی سمجھ کر اس کی تقلید میں رسول اکرم ﷺ کے فرمان کی مخالفت نا قابل قبول ہے، بلکہ صحابہ کرامؓ وتابعینؒ کی تقلید میں بھی رسول اللہ ﷺ کی مخالفت جائز نہیں، رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والے خلاف عادت کاموں کے صدور کو دلیل بنا کر شریعت کی مخالفت کرتے ہیں، اور ایسے شخص کو ولی مانتے ہیں، حالانکہ ان افعال کا صدور ولایت کا معیار نہیں، ایسے افعال بہت سے کفار ومشرکین ومنافقین سے بھی صادر ہوتے ہیں، ولایت کے لیے معیار صرف کتاب وسنت میں مذکور افعال واعمال ہی ہیں، اولیاء کو ان کے نور ایمان اور قرآن کی اطاعت ہی سے پہچانا جاسکتا ہے۔'' (فتاوی ابن تیمیہ ۱۱/۲۱۴)

حاجت روائی ومشکل کشائی

شرعی تعلیمات سے ناواقف اور ایمان وعقیدہ میں کمزور لوگ اللہ کے نیک بندوں سے، جو اب دنیا میں موجود بھی نہیں ہیں، مدد مانگتے ہیں، اور اپنی حاجت روائی کی درخواست کرتے ہیں، کوئی حضرت علیؓ کو مشکل کشا مانتا ہے، کوئی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے مدد طلب کرتا ہے اور کوئی خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے نام کی دہائی دیتا ہے، کہیں مزاروں پر عرضیاں لٹکائی جاتی ہیں، کہیں قبروں کی جالیوں سے چمٹ کر اپنا دکھڑا سنایا جاتا ہے، اور کہیں آستانوں پر ماتھے گھسے جاتے ہیں۔

اسلام انسانی کرامت کی اس پامالی کا قائل نہیں، وہ یہ نہیں چاہتا کہ محترم ومکرم انسان قبروں پر سجدہ ریز ہو اور مردوں کے سامنے دست طلب دراز کرے، اس نے یہ واضح کر دیا ہے کہ انسان کا سر صرف انسان کے خالق کے سامنے جھکنے کے لیے بنایا گیا ہے، اسی کی ذات میں یہ قدرت ہے کہ مشکلات کو دور کرے اور حاجتوں کو پورا کرے اور اسی کی عظمت وبرتری کا تقاضہ ہے کہ انسان اس کے سامنے اپنا ماتھا ٹیکے۔

شیخ الاسلامؒ نے اس تعلیم کو بڑے صاف لفظوں میں واضح فرمایا، لکھتے ہیں:

''جائز نہیں کہ کوئی شخص کسی غائب مردہ یا شیخ کو پکارے، خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو، یہ کہنا بھی جائز نہیں کہ: سیدی فلاں! میں آپ کی کفایت اور پناہ میں ہوں۔

یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ: میں آپ سے مدد کا طالب ہوں یا آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔

''محمد ﷺ، علیؓ، خاتون نفیسہؒ، شیخ احمدؒ، شیخ عدیؒ یا شیخ عبدالقادرؒ کسی کو پکارنا اور مدد طلب کرنا درست نہیں، اس طرح کا کام شرک اور گمراہی ہے''۔ (فتاوی ابن تیمیہ ۱۱/۴۹۹)

ابن تیمیہؒ کے ان بیانات سے اس حقیقت کی پوری وضاحت ہوتی ہے کہ کتاب وسنت کی منشا ومراد کے خلاف نہ کوئی دعوی معتبر ہوگا، نہ کسی کرامت وخرق عادت کو دلیل مانا جائے گا، کسی بھی کام کو شرعی حیثیت اسی وقت دی جائے گی اور اس پر ثواب کی امید رکھی جائے گی جبکہ قرآن وسنت سے اس کی مشروعیت کی واضح دلیل سامنے آجائے۔ اللہ تعالی مسلمانوں کو صحیح دین اور عبادات کے صحیح طریقوں کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

☆☆☆

کتاب الأموال
لأبی عبید القاسم بن سلام
ایک تجزیاتی مطالعہ (☆)

مولانا اسعد اعظمی/ استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

ابوعبید: نام القاسم بن سلاّم بن عبداللہ، کنیت ابوعبید۔

مملکت خراسان کے مشہور شہر ہراۃ میں راجح قول کے مطابق ۱۵۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۳ سال کی عمر پاکر ۲۲۴ھ میں مکہ معظّمہ میں وفات پائی، علم کی تحصیل کے لئے بغداد، کوفہ، بصرہ اور دیگر علاقوں کا سفر کیا اور اکابر علماء سے کسب فیض کرنے کے بعد پہلے تدریس سے وابستہ ہوئے، پھر منصب قضا پر فائز کئے گئے، بعد میں ان مشاغل سے کنارہ کش ہوکر خدمت علم اور تصنیف وتالیف کے لئے یکسو ہوگئے۔

ان کے شیوخ واساتذہ میں علی بن حمزہ کسائی، سفیان بن عیینہ، عبداللہ بن مبارک، امام شافعی، محمد بن حسن شیبانی، اصمعی اور فراء جیسے جلیل القدر علماء وفضلاء ہیں، تو تلامذہ میں امام احمد بن حنبل، امام بخاری، یحییٰ بن معین، احمد بن یحییٰ البلاذری، امام دارمی، جیسی عظیم شخصیتیں ہیں۔

آپ عبادت وریاضت اور زہد وتقوی میں مثالی شخصیت کے حامل تھے، اپنی رات کو انہوں نے تین حصوں میں تقسیم کررکھا تھا، ایک تہائی حصہ تہجد میں گزارتے تھے، ایک تہائی حصہ تصنیف وتالیف میں اور ایک تہائی حصہ سونے میں صرف کرتے تھے۔

احادیث وآثار سے بکثرت استدلال کرنا ان کی اہم خصوصیات میں سے ایک ہے، آپ کسی فقہی مذہب کے پابند نہ تھے، دلائل کی روشنی میں اپنا موقف ظاہر کرتے تھے، تقلید اور جمود سے متنفر تھے، چنانچہ اپنی کتاب ''غریب الحدیث'' میں ایک جگہ لکھتے ہیں: "وحدیث الرسول ﷺ اذا ثبت أولی بأن یعمل به ویتبع" (۶۲/۳)

کتاب الاموال میں ایک مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" وقد اختلف فی هذا الباب صدر هذه الأمة وتابعوها ومن بعدهم، فلما جاء هذا الاختلاف أمکن النظر فیه والتدبر لما تدل علیه السنة" (ص ۴۴۸)

اسی کتاب میں ایک فقہی رائے ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں:

(☆) صفا شریعت کالج، ڈومریا گنج کے زیر اہتمام منعقدہ سیمینار بعنوان: ''معاشی مسائل ومشکلات اور ان کا اسلامی حل'' بتاریخ: ۲۱-۲۲/ جولائی ۲۰۰۷ء میں یہ مقالہ پیش کیا گیا۔

" ولست أدری ما وجه هذا؟ وقد سألتهم عنه هناك – أو من سألت منهم – فلم أجد عندهم فيه أكثر من اتباع أشياخهم" (ص۳۲۸)

جہاں تک آپ کے علمی مقام ومرتبہ کی بات ہے تو اس سلسلے میں واضح ہو کہ ابوعبید اپنے وقت کے جملہ شرعی، ادبی وتاریخی علوم میں نہ صرف دسترس رکھتے تھے بلکہ عمدہ تحقیقی ذوق رکھتے تھے، عقیدہ وتوحید، تفسیر، قرآنی علوم، حدیث وعلوم حدیث، فقہ، ادب، لغت اور تاریخ ہر ایک آپ کی توجہ کا مرکز تھے اور ان تمام موضوعات پر آپ نے بیش قیمت کتابیں چھوڑی ہیں، چنانچہ کسی نے آپ کے بارے میں "یتکلم فی کل صنف من العلم" (تاریخ دمشق ۱۴/۳۲۴) کہا ہے، تو کسی نے "كان إمام دهره فی جميع العلوم" (سیر اعلام النبلاء ۱۰/ ۵۰۶) کسی نے "إمام أهل عصره فی كل فن من العلم" (معجم الادباء: ۱۶/۲۵۴) جیسے الفاظ سے آپ کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

آپ کی تصنیفات کی مجموعی تعداد (۳۹) بتلائی گئی ہے، جو مختلف علوم وفنون سے متعلق ہیں، چند کتابوں کے نام یہ ہیں: (۱) کتاب الایمان (۲) فضائل القرآن (۳) الناسخ والمنسوخ (۴) غریب الحدیث (۵) معانی الشعر (۶) ادب القاضی (۷) المذکر والمؤنث (۸) الاضداد فی اللغۃ (۹) الاموال (۱۰) الخطب والمواعظ (۱۱) مقاتل الفرسان (۱۲) انساب الخیل۔

ان کی ۳۹ کتابوں میں سے اب تک ایک درجن سے کم ہی زیور طبع سے آراستہ ہوسکی ہیں، باقی کتابیں طبع ونشر کے مرحلے سے گزرنے کی منتظر ہیں۔

اموال کے موضوع پر قدیم کتابیں:

کتاب الاموال علامہ ابوعبید کی عظیم الشان تصنیفات میں سے ایک ہے جو اپنے موضوع پر ایک ممتاز کتاب ہے، اور علامہ کی ہمہ جہت صلاحیت کی منہ بولتی تصویر ہے، اور قدیم علمی اسلامی میراث میں موجود تنوع کا جیتا جاگتا نمونہ ہے۔

اسلام کے دونوں بنیادی مصادر یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی نصوص میں اور پھر خلفائے راشدین، صحابہ کرام، تابعین عظام اور سلف صالحین کی تشریحات میں اسلام کے معاشی اور اقتصادی نظام پر بھرپور مواد موجود ہے، قرون اولی میں جب علوم وفنون کی تدوین کا عمل شروع ہوا تو مسلمانوں نے بہت جلد تالیفات اور تحقیقات کا بیش قیمت ذخیرہ تیار کرلیا اور معاشرے کی ضرورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے مختلف موضوعات پر مشتمل کتابوں سے اسلامی کتب خانہ کو مالا مال کردیا، اس عہد میں مالی اور اقتصادی پہلو پر جن محققین نے توجہ صرف کی ان میں امام ابو یوسف (۱۸۲ھ)، امام یحیٰی بن آدم قرشی (متوفی ۲۰۳ ھ)، قدامہ بن جعفر (متوفی ۳۳۷ھ) ان تینوں شخصیتوں نے اپنے اپنے وقت میں ''الخراج'' نام سے کتاب تصنیف فرمائی، اول الذکر دونوں مصنفین کی کتابیں مکمل چھپی ہیں، جبکہ موخر الذکر کا کچھ حصہ طبع ہوا ہے۔

''الاموال'' کے نام سے چار کتابوں کا تذکرہ ملتا ہے، جن میں سرفہرست زیر تبصرہ کتاب ابوعبید کی ہے، دوسرے نمبر پر ابوعبید ہی کے ایک شاگرد ابن زنجویہ (متوفی ۲۵۱ھ) کی ہے، یہ دونوں کتابیں بھی مطبوع ہیں، تیسری کتاب قاضی اسماعیل بن اسحاق جہضمی (متوفی ۲۸۲ھ) کی اور چوتھی کتاب عبداللہ بن محمد بن حیان اصفہانی (متوفی ۳۶۹ھ) کی ہے۔

مؤخر الذکر دونوں کتابوں کا تذکرہ بعض قدیم مصادر میں ملتا ہے، ابن زنجویہ کی کتاب کے محقق لکھتے ہیں کہ کتب خانوں کی فہارس میں ان دونوں کتابوں کا مجھے تذکرہ نہیں ملا، اس لئے غالب گمان یہ ہے کہ یہ دونوں کتابیں مفقود کے حکم میں ہیں۔(مقدمہ تحقیق کتاب الاموال لابن زنجویہ:۱/ ۷)

الأموال لأبی عبید

الأموال کے نام سے ان چاروں کتابوں میں ابوعبید کی کتاب کو زمانی اور موضوعی دونوں اعتبار سے سبقت حاصل ہے، بعد کے لوگوں کا زیادہ تر ان ہی کی کتاب پر اعتماد رہا، حتی کہ اس موضوع کی جو دوسری مشہور کتاب ان کے شاگرد ابن زنجویہ کی ہے، محمد بن جعفر الکتانی مؤلف الرسالۃ المستطرفۃ کے مطابق: "وكتابه كالمستخرج على كتاب أبي عبيد، وقد شاركه في بعض شيوخه، وزاد عليه زيادات" (ص ۴۷)

یعنی ابن زنجویہ کی کتاب کی حیثیت ابوعبید کی کتاب پر مستخرج کی ہے، اصول حدیث کی اصطلاح میں مستخرج کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ کوئی مصنف کسی کتاب کی حدیثوں کی تخریج اس طرح کرے کہ اس کتاب کے مصنف کے طریق کو چھوڑ کر اپنی سند سے حدیث ذکر کرے اور اصل کتاب کے مصنف کے شیخ یا ان کے اوپر کے طبقہ میں اس کی سند جا ملے۔(تدریب الراوی ۱/ ۸۵)

ابن زنجویہ کی الاموال کے محقق کے مطابق احادیث وآثار کے علاوہ ابن زنجویہ نے ابوعبید کے تقریبا چار سو فقہی اقوال بھی اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔(۱/ ۴۷)

اس کے علاوہ جن لوگوں نے ابوعبید کی اس کتاب پر علمی کام کیا ہے وہ کچھ اس طرح ہے:

- عبدالملک بن العاص السعدی (متوفی ۳۰۳ھ) نے اس کتاب کا اختصار تیار کیا۔
- امام ذہبی (متوفی ۷۴۸ھ) کے تذکرے میں "المنتقى من كتاب الاموال لأبي عبيد القاسم بن سلام" نامی کتاب کا بھی ذکر ملتا ہے۔ (ابوعبید القاسم بن سلام از سائد بکداش، ص:۱۴۲-۱۴۳)
- پہلی مرتبہ یہ کتاب اس وقت زیور طبع سے آراستہ ہوئی جب محمد حامد الفقی نے اس کتاب کی تحقیق کی، یہ محقق نسخہ ۱۳۵۳ھ میں ایک جلد میں شائع ہوا۔
- دوسری مرتبہ یہ کتاب محمد خلیل ہراس کی تحقیق سے ۱۳۸۸ھ میں شائع ہوئی، اسی ایڈیشن کے فوٹو سے متعدد بار یہ کتاب طبع ہو چکی ہے، یہ ایڈیشن بھی ایک جلد میں ہے، دونوں ایڈیشنوں میں صفحات کی تعداد چھ سو سے کچھ زائد ہے۔
- جامعہ ام القری مکہ مکرمہ کے ایک ریسرچ اسکالر عبدالصمد بکر عابد نے اس کتاب کی احادیث وآثار کی تخریج کو اپنے دکتوراہ کے رسالے کا موضوع بنایا، ۱۴۰۴ھ میں جامعہ سے ان کو اسی کام پر دکتوراہ کی ڈگری تفویض کی گئی، تین ضخیم جلدوں میں (۱۹۶۲) صفحات پر یہ رسالہ ٹائپ رائٹر کی کتابت پر کمپوز ہے۔(ایضا، ص:۱۴۳)

کتاب کے مشتملات:

مصنف نے کتاب کو چار اجزاء میں تقسیم کیا ہے، ہر جزء کے بعض اہم مباحث درج ذیل ہیں:

۱- جزء اول: اس میں پہلے اجمالا مال فئی، جزیہ، خراج، عُشر، خمس، رکاز، معادن کا تذکرہ ہے، پھر جزیہ اور خراج پر قدرے تفصیلی بحث ہے، اس کے بعد مفتوحہ زمین، اس کے اقسام واحکام، پھر قیدیوں اور فدیہ سے متعلق احکام کا بیان ہے۔

۲- جزء ثانی: دوسرے جزء میں بھی شروع میں قیدیوں سے متعلق مسائل کا بیان ہے، اس کے بعد صلح اور اس سے متعلقہ مسائل پر مفصل بحث ہے، بعدہ فئی کے مصارف کا بیان ہے۔

۳- جزء ثالث: اس جزء میں بھی فئی کے مصارف سے متعلق مزید احکام کا بیان ہے، اس کے بعد زمین سے متعلق مسائل شروع ہوتے ہیں جن میں اقطاع، احیاء الموات، حمی الارض، اور بیع الماء کے احکام شامل ہیں، بعدازاں خمس پر تفصیلی گفتگو ہے، پھر زکاۃ وصدقات کے مسائل شروع ہوتے ہیں۔

۴- جزء رابع: اس جزء میں بھی شروع سے آخر تک زکاۃ سے متعلق بیشتر فروعات پر سیر حاصل بحث ہے۔

واضح رہے کہ ہر جزء کے صفحات میں بہت زیادہ تفاوت نہیں ہے بلکہ معمولی فرق کے ساتھ صفحات لگ بھگ برابر ہیں۔

کتاب الاموال کا اجمالی تعارف:

کتاب پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے ہی سے اندازہ لگ جاتا ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے اس کی ترتیب میں وہ ''علمی منہج'' اختیار کیا ہے، جس کا آج بھی باحثین کو پابند کیا جاتا ہے، اور وہ جسے جدید علمی اصول وقواعد میں شمار کیا جاتا ہے۔

چونکہ یہ کتاب ایک طرح سے اس وقت کی اسلامی حکومت کے مالیاتی نظام کی تبیین وتشریح کا درجہ رکھتی ہے، اس لئے مصنف نے تمہید میں حکام اور رعایا کے درمیان خوشگوار ماحول قائم رکھنے کے لئے ایک دوسرے کے فرائض وحقوق اور آداب کو جاننے اور انہیں برتنے سے متعلق ایک باب قائم کرکے احادیث وآثار کا تذکرہ کیا ہے۔

اس کے بعد اموال کی بحث شروع کرتے ہوئے سب سے پہلے ان اموال کا مختصراً تذکرہ کیا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے لئے خاص تھے، جو تین طرح کے ہیں:

۱- مال فئی ۲- صفی ۳- خمس الخمس

اس کے بعد ان اموال پر پوری کتاب میں بحث ہے جن کی حفاظت اور عوامی تقسیم وغیرہ کا کام حکام کے ذمہ ہوتا ہے، ان اموال کو مصنف نے اجمالی طور پر تین حصوں میں تقسیم کیا ہے:

۱- مال فئی ۲- خمس ۳- زکاۃ وصدقات

ان میں سے ہر ایک قسم متعدد انواع کو شامل ہے۔

چنانچہ مال فئی میں جزیہ اور اس سے متعلق تمام قسمیں، خراج اور اس کی مختلف قسمیں، ذمیوں اور اہل حرب سے لیا جانے والا تجارتی محصول سب شامل ہیں۔

اسی طرح ''خمس'' میں مال غنیمت کا خمس، زمین میں مدفون خزانوں کا خمس اور اس سے متعلقہ تمام مسائل داخل ہیں۔

زکاۃ کے ضمن میں سونے چاندی، مویشی، غلہ اور پھل وغیرہ کی زکاۃ کے احکام شامل ہیں۔

اس طرح مسائل اور موضوعات کے اعتبار سے دیکھا جائے تو تمہیدی مباحث کے بعد کتاب کے کل تین حصے ہیں جن کو مصنف نے اپنی تبویب اور تفریع کے ذریعہ پوری کتاب میں پھیلایا ہے، کتاب کا جو نسخہ فی الحال متداول ہے اس میں کتاب کو کل چار اجزاء میں تقسیم کیا گیا ہے، مال فئی کے مسائل پہلے جزء سے شروع ہو کر تیسرے جزء کے صفحہ (۳۱۳) تک پھیلے ہوئے ہیں، اس کے بعد خمس کے مسائل صفحہ (۳۱۴) سے صفحہ (۳۵۸) تک تیسرے ہی جزء میں ہیں، زکاۃ اور اس کی فروعات تیسرے جزء کے صفحہ (۳۵۹) سے شروع ہو کر چوتھے جزء کے اخیر اور کتاب کے خاتمہ یعنی صفحہ (۶۰۶) پر تکمیل کو پہنچتی ہیں۔

مصنف مسائل کو بیان کرنے کے لئے ابواب قائم کر کے احادیث نبویہ، آثار صحابہ، تابعین اور ان کے بعد کے لوگوں کے اقوال وآراء کو سند کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، ان نصوص میں جہاں کوئی لفظ یا جملہ توضیح طلب ہوتا ہے مصنف اپنے الفاظ میں اس کی لغوی، نحوی وصرفی توضیح کرتے ہیں، قرآنی آیات کے ذکر کے موقع پر حسب ضرورت مفردات کی تشریح، سبب نزول کا بیان، ناسخ منسوخ کی تعیین اور سلف کے تفسیری اقوال ذکر کرتے ہیں، فقہی احکام جو کتاب کا اصل موضوع ہیں ان پر پورے بسط وتفصیل کے ساتھ بحث کرتے ہیں، فقہاء کی آراء، ان کے دلائل اور وجوہ استنباط کو بیان کرنے کے بعد ان کا مناقشہ کرتے ہیں، اور کھل کر اپنے موقف کا اظہار کرتے اور دلائل سے اس کی ترجیح کو بیان کرتے ہیں، البتہ مخالف رائے اور اس کے قائلین کا بڑے ہی ادب اور احترام سے ذکر کرتے ہیں اس میں کسی طرح کی تعلی یا تعصب کے بجائے تواضع اور تعظیم کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے، چنانچہ ص (۹۲) پر ایک مسئلہ میں اہل علم کے اختلاف اور ان کے دلائل کا ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں:

"فأری العلماء قد اختلفوا فی أرض الخراج قدیما وحدیثا، وکلهم امام، الا أن أهل الکراهة أکثر، والحجة فی مذهبهم أبین، والله أعلم".

اسی طرح ص (۹۶) پر ایک اختلافی مسئلہ میں علماء کے دو اقوال ذکر کرنے پھر اپنے قول کو دلائل سے راجح قرار دینے کے بعد لکھتے ہیں: "ومع هذا کله انه قد أفتی بهما جمیعا رجال من أفاضل العلماء".

یہ دونوں عبارتیں جس علمی وقار اور وسعت قلبی کو بیان کر رہی ہیں وہ کسی تبصرے کی محتاج نہیں۔

مصنف احادیث وآثار بکثرت ذکر کرتے ہیں، یہ کتاب کی اہم خصوصیات میں سے ایک ہے، مصنف کسی بھی مسئلہ پر گفتگو کے لئے باب قائم کرتے ہیں تو "حدثنا فلان قال حدثنا فلان" سے بات شروع کرتے ہیں، احادیث مرفوعہ ہوں یا آثار صحابہ، تابعین کے اقوال وآثار ہوں یا ان کے بعد کے لوگوں کے، سب کو ابوعبید سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں، جس کا ایک اہم فائدہ یہ ہوتا ہے کہ نصوص کی صحت وسقم کی جانکاری حاصل کرنے میں آسانی ہوتی ہے، جس سے ترجیح وغیرہ کے عمل میں سہولت ہوتی ہے۔ اس طرح فقہ کے موضوع کی یہ کتاب محدثین کے طرز پر ترتیب دی گئی ہے، یہ خصوصیت کتاب کی عظمت اور اس کے تقدس کو دوچند کر دیتی ہے۔ احادیث کے ذکر کے بعد اگر ان میں کسی طرح کے وہم، اشکال یا تعارض وغیرہ کا احتمال ہو تو اس کا ازالہ بھی کر دیتے ہیں۔

مصنف کو اپنے وقت کے تقریباً تمام ہی علوم وفنون میں کمال حاصل تھا، اس لئے اس کتاب میں جگہ جگہ ان کے تبحر علمی

کے شواہد دیکھنے کو ملتے ہیں، تفسیری، حدیثی، لغوی، نحوی، تاریخی اور فقہی فوائد سے کتاب مالا مال ہے، تاریخ کا بڑا ذخیرہ بھی کتاب میں موجود ہے، چونکہ اموال کی حفاظت اور مستحقین میں ان کی تقسیم کتاب کا اصل موضوع ہے، اس لئے جگہ جگہ اس تعلق سے خلفاء وحکام کے عمل کو بیان کیا گیا ہے اور زیر بحث مسئلہ پر اس سے استیناس کیا گیا ہے، اس ضمن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل اور ان سے متعلقہ واقعات کا بڑا ذخیرہ کتاب میں جمع ہوگیا ہے، ان کے علاوہ دوسرے خلفاء وامراء کے طرز عمل کا تذکرہ بھی جگہ جگہ موجود ہے، اس طرح سے بہت سارے تاریخی اور سماجی گوشے کتاب میں محفوظ ہوگئے ہیں جن کو مستقل طور پر کسی دراسہ کا موضوع بنایا جاسکتا ہے، دوسری طرف یہ تاریخی حقائق وواقعات ایک اور پہلو بھی اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں جن کو مناقب کا عنوان دیا جاسکتا ہے، اس تاریخی اور سوانحی ذخیرہ میں خطباء اور واعظین کے کام کی بھی بڑی ساری باتیں موجود ہیں۔

الغرض کتاب اپنے موضوع پر بے نظیر اور منفرد دستاویز ہونے کے ساتھ ہی مختلف النوع معلومات اور فوائد سے بھرپور ایک بیش بہا خزانہ ہے جو اپنے اندر بڑی کشش رکھتا ہے۔

کتاب اہل علم کی نظر میں:

کہا جاتا ہے کہ "انما یعرف ذا الفضل من الناس ذووہ" کسی کتاب کی اہمیت اور عظمت پر دلالت کرنے والے وہ اقوال وتاثرات بھی ہوتے ہیں جو علماء اور ماہرین فن کی جانب سے صادر ہوتے ہیں، زیر نظر کتاب پر اہل علم کے کچھ تاثرات بڑے ہی اختصار کے ساتھ سطور ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

۱- خطیب بغدادی (متوفی ۴۶۳ھ) اس کتاب کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

" وكتابه فى الأموال من أحسن ما صنف فى الفقه وأجوده" ۔ (تاریخ بغداد ۱۲/۴۰۵، انباہ الرواۃ ۳/۱۵)

یعنی ابوعبید کی کتاب الاموال فقہ میں تصنیف کی جانے والی بہترین اور عمدہ کتابوں میں سے ایک ہے۔

۲- ابوجعفر مدینی صاحب المسند (متوفی ۲۷۲ھ) کا بیان ہے کہ میں نے ابوعبید کی کتاب الاموال کو نسخ کرنا چاہا تو میں آب زر خریدنے کے لئے نکلا، تاکہ اسی سے لکھوں، ابوعبید سے میری ملاقات ہوگئی، میں نے کہا: ابوعبید! اللہ آپ پر رحم فرمائے، میں سونے کے پانی سے کتاب الاموال کی کتابت کا ارادہ رکھتا ہوں، ابوعبید نے کہا: سیاہی سے لکھئے، وہ زیادہ دیرپا ہوتی ہے۔ (الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع للخطیب البغدادی: ۱/۲۵۰، ادب الاملاء والاستملاء للسمعانی، ص: ۱۴۸-۱۴۹)

۳- الاموال کے محقق علامہ محمد خلیل ہراس ابوعبید کے بارے میں علماء اور سوانح نگاروں کے اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

" ... وكفى دليلا على امامته وفضله وغزارة علمه وجودة قلمه تأليفه هذا الكتاب العظيم الذى لم يؤلف مثله فى بابه ليكون مرجعا لطلاب العلم فى كل ما يتعلق بالنظام المالى فى الاسلام ..." ۔ (الأموال، مقدمة، ص: ۹)

۴- الاموال کے دوسرے ایڈیشن کے مقدمہ میں یہ عبارت بھی آئی ہے:

" فللكتاب قيمة علمية لا تنكر، فهو خير ما ألف فى الفقه الاسلامى وأجوده، وبه كل ما

یتعلق بالنظام المالی فی الاسلام". (ص:۳)

الأموال لأبی عبید اور الأموال لابن زنجویہ: ایک موازنہ:

اوپر یہ بات گزر چکی ہے کہ اس موضوع پر ابوعبید کے ایک شاگرد حُمید ابن زنجویہ (متوفی ۲۵۱ھ) نے بھی اسی نام سے کتاب تصنیف کی ہے، یہ کتاب دکتور شاکر ذیب فیاض کی تحقیق سے ۳ رجلدوں میں شائع ہوئی ہے، چونکہ دونوں کتابوں کا موضوع اور نام ایک ہے، دونوں کے مصنفین کا آپس میں استاذ اور شاگرد کا رشتہ ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کتابوں کا موازنہ کرکے دیکھا جائے کہ دونوں کتابوں کی کیا کیا خصوصیتیں ہیں، دونوں میں کیا فرق ہے اور متاخر نے متقدم پر کیا اضافہ کیا ہے؟

الاموال لابن زنجویہ کے محقق نے اپنے مقدمۃ التحقیق میں دونوں کتابوں کے مابین بالاختصار موازنہ کیا ہے، اسی موازنہ کے اہم نقاط یہاں مختصراً ذکر کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے:

۱- ابن زنجویہ کے یہاں شروع سے لے کر کتاب الصدقہ کی ابتدا تک مسائل وابواب لگ بھگ وہی ہیں جو ابوعبید کے یہاں ہیں، البتہ کتاب الصدقہ اور اس کے بعد ابن زنجویہ کے یہاں کچھ نئے ابواب بھی آئے ہیں جو ابوعبید کے یہاں نہیں ہیں۔

۲- حدیثوں کی روایت میں ابن زنجویہ نے ''مستخرج'' والوں کا طریقہ اپنایا ہے، ابوعبید کی روایت کی ہوئی حدیثوں کو دوسرے طریق سے روایت کرکے ابوعبید کے شیخ یا شیخ الشیخ میں دونوں مل جاتے ہیں۔

اسی طرح حدیثوں کے تعلق سے ایک فرق یہ بھی ہے کہ ابن زنجویہ ابوعبید کی ذکر کردہ احادیث وآثار پر دوسری احادیث وآثار کا اضافہ بھی کرتے ہیں، اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ابن زنجویہ ابوعبید کی ذکر کردہ تمام احادیث وآثار کو ذکر کرنے کا التزام کریں۔

۳- نصوص واقوال پر ابوعبید کی جو تعلیقات وغیرہ ہیں ابن زنجویہ ان کو بھی بکثرت نقل کرتے ہیں، احادیث وآثار کے علاوہ ابوعبید کی تعلیقات اور فقہی اقوال وآراء جن کو ابن زنجویہ نے نقل کیا ہے ان کی تعداد چار سو کے لگ بھگ ہے، جبکہ نصوص وغیرہ پر ابن زنجویہ کی اپنی تعلیق بے حد کم ہے۔

۴- ابوعبید کی تعلیقات وآراء کو نقل کرتے وقت کہیں کہیں ابن زنجویہ ان کی مخالفت یا ان پر استدراک یا اضافہ بھی کرتے ہیں۔

۵- اقوال وغیرہ کے نقل میں ابن زنجویہ علمی امانت کا پورا خیال رکھتے ہیں اور ہر قول کو اس کے قائل کی طرف منسوب کرکے ذکر کرتے ہیں، صرف دو تین مقامات پر ابوعبید کے قول کو ان کا نام لئے بغیر ذکر کیا ہے۔

(الاموال لابن زنجویہ، مقدمۃ التحقیق، ص: ۴۷-۴۹ مختصراً)

هذا، والله أعلم، وصلى الله تعالى وسلم على خير خلقه محمد وعلى آله وصحبه أجمعين.
وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

●●●

مت توڑو-اسے جسے اللہ نے جوڑا ہے

مولانا عبدالمتین مدنی

اسلام کی اخلاقی تعلیمات میں صلہ رحمی کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اسے اللہ کے نزدیک محبوب ترین اعمال میں سے ایک قرار دیا گیا، ایک صحابی کہتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول کون سا عمل اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ پر ایمان لانا، پوچھا پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا صلہ رحمی کرنا، پوچھا: پھر کون سا ؟ کہا نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا۔ (صحیح الترغیب والترھیب :۲۵۲۲)

نیز عہد نبوت کی ابتدا میں توحید ورسالت کے اقرار کے ساتھ جن محاسن کے اختیار کرنے کی تاکید کی گئی صلہ رحمی ان میں سے ایک ہے، حضرت عمرو بن عبسہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے ملاقات ابتدائے نبوت میں کی، میں نے پوچھا آپ کیا ہیں؟ جواب دیا میں نبی ہوں، میں نے پھر دریافت کیا نبی کون ہوتا ہے؟ کہا اللہ نے مجھے رسالت سے نوازا ہے، میں نے پوچھا آپ کو کیا دے کر بھیجا ہے، فرمایا: "أرسلني بصلة الأرحام وكسر الأوثان وأن يوحد الله لا يشرك به شيئا"۔ (صحیح مسلم بحوالہ ریاض الصالحین ص ۱۴۱)

اللہ نے مجھے صلہ رحمی، بت شکنی اور دعوت توحید و بیزاری شرک کے ساتھ بھیجا ہے۔

شاہ روم ہرقل کے دربار میں جب حضرت ابوسفیان مشرکین مکہ کے نمائندہ کے طور پر حاضر ہوئے اور ہرقل نے ان سے دریافت کیا کہ یہ نبی تمہیں کس بات کی دعوت دیتے ہیں، جواب دیا: "يقول اعبدوا الله وحده ولا تشركوا به شيئا، واتركوا ما يقول آباءكم ويأمرنا الصلوة والصدق والعفاف والصلة"۔ (متفق علیہ بحوالہ ریاض الصالحین ح: ۳۲۷)

اللہ واحد کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو، تمہارے آباء واجداد جو کہتے ہیں اسے چھوڑو اور آپ نے ہمیں نماز، راست بازی، پاکدامنی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔

صلہ رحمی کو ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر کے ساتھ جوڑنا اور اسے جنت میں جانے کا ذریعہ اور سبب قرار دینا بھی اس کی اسلام میں اہمیت کو اجاگر کرتا ہے: "من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليصل رحمه"۔ (متفق علیہ بحوالہ ریاض الصالحین ح: ۳۱۴) جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ صلہ رحمی کرے۔

أخبرني بعمل يدخلني الجنة ويباعدني من النار فقال تعبد الله ولا تشرك به شيئا وتقيم الصلوة وتؤتي الزكوة وتصل الرحم۔ (متفق علیہ بحوالہ ریاض الصالحین ح: ۳۳۱)

مجھے ایسا عمل بتلا دیں جو مجھے جنت میں داخل کرے اور جہنم سے دور کردے، فرمایا اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو، نماز قائم کرو، زکاۃ ادا کرو اور صلہ رحمی کرو۔

صحیح احادیث میں صلہ رحمی اختیار کرنے کے دنیاوی فوائد بھی بتلائے گئے ہیں، فرمان نبوی ہے: "لا يرد القدر الا الدعاء ولا يزيد في العمر الا البر"۔ (مسند احمد بحوالہ زاد الخطیب ۲/۲۳۸) تقدیر کو سوائے دعا کے کوئی چیز رد نہیں کرتی اور عمر میں سوائے

نیکی (صلہ رحمی) کوئی چیز اضافہ نہیں کرتی۔

ایک دوسری حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے نسب کے جاننے کی ترغیب دیتے ہوئے اس کے مقصد کو بیان فرمایا: تعلموا من أنسابكم ما تصلون به أرحامكم فان صلة الرحم محبة من الأهل ومثراة في المال ومنساة في الأثر۔ سنن ترمذی، مسند احمد بحوالہ زاد الخطیب ۲/۲۳۹)

تم اپنا نسب معلوم کرو تا کہ صلہ رحمی کر سکو، کیونکہ صلہ رحمی سے گھر والوں میں محبت پیدا ہوتی ہے، مال میں اضافہ ہوتا ہے اور اجل میں تاخیر ہوتی ہے۔

اسی سلسلہ کی ایک مشہور حدیث اللہ کے رسول ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے: "من سره أن يبسط له في رزقه وينسأ له في أثره فليصل رحمه۔ (الادب المفرد، ح: ۵۷) جسے یہ پسند ہو کہ اس کی روزی اور اس کے اوقات میں خیر و برکت دی جائے تو اسے چاہئے کہ وہ صلہ رحمی کرے۔

ایک حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے صلہ رحمی کو عام صدقات و خیرات سے زیادہ باعث اجر و ثواب قرار دیا ہے، ام المومنین حضرت میمونہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول کی اجازت کے بغیر ایک باندی کو آزاد کر دیا، جب آپ میرے پاس میری باری کے روز تشریف لائے تو میں نے آپ کو اس کی خبر دی، آپ نے پوچھا: "أو فعلت" کیا تم نے ایسا کر دیا؟ میں نے کہا کہ ہاں، آپ نے فرمایا: "أما انك لو أعطيتها أخوالك كان أعظم لأجرك"۔ (متفق علیہ بحوالہ ریاض الصالحین، ح: ۳۲۴) اگر آپ اسے اپنے ماموں کو دے دیتیں تو یہ تمہارے لیے زیادہ باعث اجر و ثواب ہوتا۔

ان تمام حدیثوں سے صلہ رحمی کی اہمیت اور اس کے فوائد اور اجر و ثواب کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اس کے برعکس جو لوگ صلہ رحمی کے بجائے رشتہ کو کاٹتے، توڑتے اور نظر انداز کر دیتے ہیں، ان کے لیے شدید مذمت اور وعید ہے اور بلا شبہ یہ کبیرہ گناہوں میں سے ایک ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا: "الا أخبركم بأكبر الكبائر قلنا بلى يا رسول الله قال الاشراك بالله وعقوق الوالدين وكان متكئا فجلس الا وقول الزور وشهادة الزور"۔ (متفق علیہ بحوالہ ریاض الصالحین، ح: ۳۳۶)

سب سے بڑے گناہ کے بارے میں تمہیں نہ بتلا دوں، ہم نے کہا کہ کیوں نہیں اے اللہ کے رسول، آپ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا والدین کی نافرمانی اور ان سے قطع تعلقی اور آپ ٹیک لگا کر بیٹھے تو سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی۔

قطع رحمی کے گناہ میں ملوث انسان اللہ کی رحمت سے دور رہتا ہے اور اس کے نیک اعمال بھی اللہ کے نزدیک شرف قبولیت حاصل نہیں کرتے۔

ان الرحمة لا تنزل على قوم فيهم قاطع رحم۔ (الادب المفرد، ح: ۶۳)

رحمت ایسے لوگوں کے درمیان نازل نہیں ہوئی جن میں کوئی رشتہ کاٹنے والا ہوتا ہے۔

اور طبرانی کی ایک روایت میں ہے: ان الملائكة لا تنزل على قوم فيهم قاطع رحم۔

بیشک فرشتے ایسے لوگوں کے درمیان نہیں اترتے جن میں کوئی رشتہ کاٹنے والا ہوتا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ان أعمال بني آدم تعرض كل خميس فلا يقبل عمل قاطع رحم۔ (مسند احمد بحوالہ زاد الخطیب ۲/۲۴۵) بنی آدم کے اعمال (اللہ کے حضور) ہر جمعہ کی رات پیش کئے جاتے ہیں تو رشتہ کاٹنے والے کا عمل قبول نہیں کیا جاتا۔

ظاہر ہے کہ یہ سزا ایسے ہی گناہ کی ہوسکتی ہے جو اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ ہو اور یہ بات اللہ کے رسول ﷺ نے بھی فرمائی، حدیث نبوی ہے: کون سا عمل اللہ کو سب سے زیادہ ناپسند ہے، فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، قطع رحمی کرنا، برائی کا حکم دینا اور نیکی سے روکنا، اور اس عمل کے ناپسندیدہ ہونے کی وجہ سے ہی اس گناہ پر اللہ کی گرفت بھی بہت جلد اور اس دنیا ہی میں ہوجاتی ہے، ما من ذنب أجدر أن يعجل الله لصاحبه العقوبة في الدنيا مع ما يدخر له فى الآخرة من البغى وقطيعة الرحم۔ (مسند احمد، سنن ترمذی بحوالہ زاد الخطیب ۲/۲۴۵)

سرکشی اور قطع رحمی ایسے گناہ ہیں اس دنیا میں ہی جلد دے دی جاتی ہے، اس سزا کے علاوہ جو آخرت میں مقرر ہے۔

آخرت میں اس گناہ کی سزا اللہ کی جنت سے محرومی ہے اور یہ کتنی بڑی محرومی ہے۔

ایک حدیث جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "ثلاث لا يدخلون الجنة مد من الخمر وقاطع رحم ومصدق لسحر"۔

تین قسم کے لوگ جنت میں داخل نہیں ہوں گے: شراب کا رسیا، رشتہ کاٹنے والا اور جادو کی تصدیق کرنے والا۔

شارح مسلم امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: هذا الحديث يتأول تأويلين أحدهما حمله على من يستحل القطيعة بلا سبب ولا شبهة مع علمه بتحريمها فهذا كافر يخلد في النار ولا يدخل الجنة.

والثاني لا يدخلها في أول الأمر مع السابقين بل يعاقب بتاخره القدر الذي يريده الله تعالى۔ (شرح مسلم ۱۶/۱۱۳-۱۱۴)

اس حدیث کا دو مفہوم مراد لیا جاسکتا ہے، ایک یہ کہ یہ وعید اس شخص کے لیے ہے جو بغیر کسی سبب اور شبہ کے قطع رحمی کو حلال سمجھے، اس کی حرمت جاننے کے باوجود تو یہ کافر ہے جو ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور جنت میں داخل نہ ہوگا۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ قطع رحمی کرنے والا سابقین واولین کے ساتھ جنت میں داخل نہ ہوگا، بلکہ جتنی تاخیر اللہ اسے سزا کے طور پر دینا چاہے گا اتنا موخر کرکے اسے جنت میں داخل کیا جائے گا۔

ان تمام نصوص سے قطع رحمی کی مذمت، وعید، سزا اور نقصانات کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔

قرآن کریم کی دو آیتوں میں اللہ تعالی نے اس کی سزا کو ذکر کیا ہے۔

یہ سزا اللہ کی لعنت، قوت سماعت وبصارت کا چھن جانا اور بدترین ٹھکانہ ہے۔

والذين ينقضون عهد الله من بعد ميثاقه ويقطعون ما أمر الله به أن يوصل ويفسدون في الأرض أولئك لهم اللعنة ولهم سوء الدار۔ (الرعد:۲۵)

اور جو اللہ کے عہد کو اس کی مضبوطی کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جن چیزوں کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے انہیں توڑتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، ان کے لیے لعنتیں ہیں اور ان کے لیے برا گھر ہے

وقال: فهل عسيتم إن تولتيم أن تفسدوا في الأرض وتقطعوا أرحامكم أولئك الذين لعنهم الله

فأصمهم وأعمى أبصارهم۔ (محمد:۲۲)

اور تم سے یہ بعید نہیں کہ تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد برپا کرو اور رشتے ناطے توڑ ڈالو، یہ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی پھٹکار ہے اور جن کی سماعت اور آنکھوں کی روشنی چھین لی ہے

اس مضمون کے اختتام پر ابن ابی جمرہ نے صلہ رحمی کا جو مفہوم ذکر کیا ہے اسے تحریر کر دیا جائے: تكون صلة الرحم بالمال وبالعون على الحاجة ويدفع الضرر وبطلاقة الوجه وبالدعاء والمعنى الجامع ايصال ما أمكن من الخير ودفع ما أمكن من الشر بحسب الطاقة وهذا انما يستمر اذا كان أهل الرحم أهل استقامة فان كانوا كفارا أو فجارا فمقاطعتهم في الله هي صلتهم بشرط بذل الجهد في وعظهم ثم اعلامهم اذا أصروا ان ذلك بسبب تخلفهم عن الحق ولا يسقط مع ذلك صلتهم بالدعاء لهم بظهر الغيب أن يعودوا الى الطريق المثلى۔ (فتح الباری ۱۰/۴۱۸)

صلہ رحمی، مال، باہمی تعاون، دفع ضرر، خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا اور دعائے خیر میں یاد رکھنا، ان کے ذریعہ ہوتی ہے اور اس کا جامع معنی یہ ہے کہ حتی المقدور جس خیر کا پہنچانا ممکن ہو اسے پہنچایا جائے اور جس شر کا روکنا ممکن ہو اسے روکا جائے، لیکن جب رشتہ دار نیک ہوں اور اگر وہ اس کے برعکس ہوں تو اللہ کی خاطر ان سے قطع تعلق ہی ان سے صلہ رحمی ہے نصیحت کی شرط کے ساتھ اور ان کو بتلانے کے ساتھ ساتھ اگر وہ اپنے روش پر قائم ہیں کہ حق سے دوری کے سبب ہی ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جا رہا ہے، لیکن غائبانہ دعا کے ذریعہ ان کے ساتھ صلہ رحمی کی جائے کہ اللہ سیدھے راستے کی طرف انہیں لوٹنے کی توفیق دے۔

بعض لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہے کہ صلہ رحمی کا یہ برتاؤ ان کے ساتھ ہی کیا جائے گا جو ہمارے ساتھ ایسا برتاؤ کریں گے جبکہ اسلام میں بدلہ والی صلہ رحمی نہیں بلکہ جو قطع رحمی کا برتاؤ کرتے ہیں ان کے ساتھ بھی صلہ رحمی کرنے کا حکم دیا گیا، فرمان نبوی ہے: "ليس الواصل بالمكافي ولكن الواصل الذى اذا انقطعت رحمه وصلها" (سنن ترمذی: ۱۹۰۵) صلہ رحمی وہ نہیں ہے جو بدلہ میں صلہ رحمی کرے بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے جو قطع رحمی کے باوجود صلہ رحمی کرے۔

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ایک صحابی نے اللہ کے رسول ﷺ سے شکایت کی: ان لی قرابة أصلهم ويقطعونى وأحسن اليهم ويسيئونى اليّ واحلم عنهم ويجهلون علي فقال لئن كنت كما قلت، فكأنما تسفهم الحمل ولا يزال معك من الله ظهير ما دمت على ذلك۔ (صحیح مسلم بحوالہ زاد الخطیب ۲/۲۴۷) اے اللہ کے رسول میرے کچھ رشتہ دار ہیں جن سے میں صلہ رحمی کرتا ہوں اور وہ مجھ سے قطع رحمی کرتے ہیں، میں ان سے حسن سلوک کرتا ہوں اور وہ مجھ سے بدسلوکی کرتے ہیں، میں ان کے ساتھ بردبار ہوں اور ان کا سلوک میرے ساتھ جاہلانہ ہے، آپ نے فرمایا: اگر تو ایسا ہی ہے جیسا کہ تم نے ذکر کیا تو گویا تم ان کے منہ میں گرم راکھ ڈال رہے ہو اور جب تک تم اس پر قائم رہو گے اللہ کی طرف سے تمہارے ساتھ ایک مددگار رہوگا۔

رشتہ کے سلسلہ میں یہ بات ہم کو ہرگز نہیں بھولنی چاہئے کہ یہ اللہ کا قائم کردہ ہے، خواہ یہ رشتہ باپ کی طرف سے قائم ہو یا ماں کی طرف سے یا شادی کے بعد بیوی کے رشتہ دار، اس لیے کہ یہ رشتہ بھی اللہ کے نام پر قائم کیا گیا ہے اور اللہ کے رسول ﷺ نے اس رشتہ کے جوڑنے کا بھی حکم دیا: وأحق ما أكرم عليه الرجل ابنته أو أخته۔ (بلوغ المرام، ح:۱۰۳۰)

اس لیے جس رشتہ کو اللہ نے قائم کیا ہے اسے توڑنا اور کاٹنا گویا اللہ کی اس تقدیر پر ناپسندیدگی کا اظہار اور اعتراض ہے اور یہ رضا بالقدر کے خلاف ہے۔ ☆☆

شیطان-ایک سرسری مطالعہ

عبدالسمیع محمد ہارون انصاری سلفی
بھوارہ، مدھوبنی

قدرت کی اس عجوبہ ہائے جہاں میں قدم قدم پر آیات وموعظات ہیں، جن کے لیے بصیرت وبصارت کی ضرورت ہے اور بلاشبہ اس کے سہارے حاصل شدہ اسباق سے ہی انسان سچے معنوں میں اللہ کا مطیع وفرماں بردار بن کر دارین کی صلاح وفلاح اور سعادت وعزت اور کامرانی حاصل کرتا ہے، قدرت کی انہی نشانیوں میں سے وجود تضاد ہے، دن کے ساتھ رات، صبح وشام، سرد گرم موسم، سیلاب وخشک سالی، امیر وغریب، خوشی اور غم، کفر وشرک، صنف ذکور واناث، انسانوں میں نہیں دیگر مخلوقات میں بھی یہ دومتضاد وصف، اقبال وزوال، جنت وجہنم الغرض تضاد کی مثالوں سے ہماری یہ دنیا بھری ہوئی ہے، انسان اور شیطان انہیں میں سے ایک ہے، دومتضاد وجود کی یوں تو اصل حکمتیں رب علیم وحکیم ہی کو معلوم ہیں مگر ان میں کچھ خاص حکمت ایسی بھی ہے جو ہمیں دکھتی ہے مثلاً بھوک نہ ہوتی تو سیرابی کا مزہ نہ ہوتا، کفر نہ ہوتا تو ایمان کی عظمت کا احساس نہ ہوتا، شیطان نہ ہوتا تو انسان.....؟؟؟

آیئے قرآن کریم کی چند آیات کی روشنی میں اس شیطان کے بارے میں جاننے کی کوشش کرتے ہیں، شیطان اور ابلیس عرف عام میں ایک دوسرے کے لیے بولے جاتے ہیں، قرآن کی صراحت کے مطابق ابلیس جن میں سے تھا اور اللہ نے اسے اعزازاً فرشتوں میں شامل کر رکھا تھا، اسی لیے فرشتوں کو جب آدم کے لیے سجدہ کرنے کا حکم ہوا تو اسے بھی ہوا، مگر اس نے انکار کیا، نتیجہ معلوم ہے، ابلیس کا معنی انتہائی مایوس لیا گیا ہے، چونکہ وہ اللہ کے یہاں اپنی فلاح ونجات کے تعلق سے مایوس ہے اس لیے اسے ابلیس کہا جاتا ہے، اس نے اللہ کی سخت نافرمانی کی اور سخت سرکش نکلا، اس لیے اس کو شیطان بھی کہا جاتا ہے، واضح ہو کہ اس لفظ کا معنی متمرد اور ازحد سرکش ہوتا ہے، پھر اس ابلیس وشیطان کی پوری ایک قوم وجماعت ہے، اس کے اعوان وانصار بھی ہیں جیسا کہ آیات واحادیث سے ثابت ہے کہ یہ سبھی لوگ کس کس طرح سے انسانوں اور بالخصوص اللہ کے نیک بندوں مومنوں کو گمراہ کرنے کی شب وروز کوشش کرتے رہتے ہیں۔

ازحد متمرد وسرکش شیطانوں کی طرح انسانوں میں بھی ہوتے ہیں، اسی لیے ان کے لیے بھی قرآن میں جابہ جا یہ لفظ استعمال ہوا ہے، مثلاً: "كذلك جعلنا لكل نبي عدوا شياطين الانس والجن ....." (۱۱۶/۶) اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان پیدا کئے تھے کچھ آدمی اور کچھ جن، جن میں سے بعض بعضوں کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے ہیں تاکہ ان کو دھوکہ میں ڈالدیں...'' ۔اس طرح سورہ بقرہ میں ہے: "واذا لقوا الذين آمنوا قالوا آمنا واذا خلوا الى شياطينهم قالوا انا معكم ....." (۱۴/۲) اور جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان والے ہیں اور جب اپنے شیطانوں (بڑوں) کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ہم تو ان سے صرف مذاق کرتے ہیں''۔

بہرحال شیطان شیطان ہے اور وہ مسلمانوں ہی نہیں بلکہ تمام انسانوں کا کھلا دشمن ہے، وہ کبھی نہیں چاہتا کہ انسان کوئی بھلائی ونیکی کرے وہ ہر ممکن اسے برائی اور گناہ کے لیے آمادہ کرتا رہتا ہے، قرآن کریم میں متعدد جگہ انسانوں سے کہا گیا کہ شیطان تمہارا کھلا

دشمن ہے (۲/۶۲)(،(۱۴۲/۶)،(۲/۱۶۸)وغیرہ وغیرہ،تو جو ہمارا کھلا دشمن ہےاس سے،اس کے فریب سےاوراس کے راستے سے ہمیں ہر ممکن دوررہنا چاہئے،اسی میں بھلائی ہے،قرآن کریم میں کئی جگہ وضاحت سے ان راستوں کی نشاندہی ہے جس کے ذریعہ وہ انسانوں کو گمراہ اور برباد کرنا چاہتا ہے۔

مثلاً اللہ نے فرمایا:''اور شیطانی راہ پر نہ چلو وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے،وہ تمہیں صرف برائی اور بے حیائی کا اور اللہ پران باتوں کے کہنے کا حکم دیتا جن کا تمہیں علم نہیں''۔(۲/۱۶۸،۱۶۹)

یہاں برائی اور بے حیائی کے تعلق سے بتایا گیا کہ یہ وہ راہ ہے جو شیطانی راہ ہے،آج صرف جدید ذرائع ابلاغ پر نظر ڈالیں، اورغور کریں کہ ان ذرائع سے انسانی سماج میں نہ صرف برائیاں اور بے حیائیاں عام ہورہی ہیں بلکہ یہ سماج بھی برباد ہورہا ہے،حقیقت یہ ہے کہ انسان جبھی بے حیاو بے شرم ہوجاتا ہے جبھی وہ ہر گناہ پر آمادہ ہوتا ہے،ہر انسان جب کبھی وہ کوئی برائی پہلی بار کرتا ہے تو اس میں فطری طور پر ہچک اور حیاو شرم ہوتی ہے،لیکن جب شیطنت کے غلبہ میں آکر وہ اسے کرگذرتا ہے تو پھر اس کی ہچک اور حیاو شرم کم اور پھر آگے کم سے کم تر ہوتی جاتی ہے،وہ برائی پر مزید جری ہوتا چلا جاتا ہے،اسی لیے حدیث میں بھی ہے کہ تمہارے اندر حیاو شرم نہیں تو تم جو چاہو وہ کرو۔ہمیں شیطان کی اس راہ سے حتی المقدور دور رہنا چاہئے۔

بزدلی شیطانی خصلت وراہ ہے جبکہ جرأت وشجاعت مومنانہ وصف ہے،بزدلی انسان کو ہر چیز سے دبنے،حق سے دور رہنے اور زندگی میں جدجہد سے باز رکھتی ہے جبکہ جرأت وشجاعت اس کی ضد ہے،قرآن میں ہے:''تم میں سے جن لوگوں نے اس دن پیٹھ دکھائی جس دن دونوں جماعتوں کی مڈبھیڑ ہوئی تھی،یہ لوگ اپنے بعض کرتوتوں کے باعث شیطان کے پھسلانے میں آگئے،لیکن یقین جانو کہ اللہ نے انہیں معاف کردیا اللہ تعالی بخشنے والا اور تحمل والا ہے''۔(۳/۱۵۵)معلوم ہے کہ یہاں اس آیت میں مسلمانوں کی اس بزدلی وپسپائی کی جانب اشارہ ہے جوانہوں نے غزوۂ احد میں دکھائی تھی جس کا خمیازہ مسلمانوں کو بہت زیادہ بھگتنا پڑا تھا۔

غزوۂ احد کے اپنے حالات کے پس منظر میں مسلمانوں کے اندر حق کے مقابل باطل کی طاقتوں کا خوف وڈر داخل ہوگیا تھا، حالانکہ جوایمان اللہ انتہائی طاقتور کی ذات کا یقین دلاتا ہے،اس کے مقابلے دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت تنکے سے بھی کمترین ہے، لیکن جب ایمان میں شرارت وشیطنت کے سبب ضعف پیدا ہوتا ہے تو اللہ علیم وقدیر اور غالب ذات کے مقابلے باطل وشیطنت کی بظاہر معمولی قوت سے خوف پیدا ہوجاتا ہے،اور پھر یہ خوف انسان کو باطل کے مقابلے پسپائی وسپردگی سکھاتا ہے جو بہر حال دارین کی صلاح وفلاح کے لیے سم قاتل ہے،اللہ نے فرمایا:''صرف شیطان ہی ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے تم ان سے نہ ڈرو اور میرا خوف رکھو،اگر تم مومن ہو''۔(۳/۱۷۵)تاریخ میں ایمانی طاقت کا باطل کی بڑی سے بڑی قوتوں کے مقابل ڈٹ کر مقابلہ کرنا اور باذن اللہ اس پر غلبہ کی متعدد مثالیں ہیں،ایک مومن کو باطل سے کبھی نہیں ڈرنا چاہئے۔

آرزوؤں اور تمناؤں سے کوئی دل خالی نہیں اور اسلام کی نظر میں معیوب بھی نہیں بشرطیکہ وہ نیک ہو،ممکن ہو اور محدود ہو، کیونکہ لامحدود اور ایرے غیرے کی تمنا کرنا نہ صرف دینی اعتبار سے مضر اور مہلک ہے بلکہ وہ دنیوی اعتبار سے بھی مضر ومہلک اور تباہ کن ہے،اس کی تفصیل بڑی مفصل ہے،جس کا یہ موزوں مقام بھی نہیں ہے،بس ایک مثال سے سمجھئے کہ انسان کا اکثر وہ دکھ،غم،ٹینشن اور مصیبت جو اس کو لاحق ہے اکثر وبیشتر اس کی وجہ کسی آرزو کی عدم تکمیل ہے،اس کی خواہش کے مطابق کسی کام کا نہ ہونا ہے،اس کو تجزیے سے سمجھا جاسکتا ہے،مزید برآں آدمی دنیا میں جتنی آرزوئیں کرتا ہے وہ اس میں اسی طرح گھرتا چلا جاتا ہے نتیجہ دنیا میں گھر کر

آخرت بھول جاتا ہے۔

تمناؤں میں الجھایا گیا ہوں کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں

اس لیے ہمیں کم سے کم اور نیک آرزوؤں کو دل میں جگہ دینا چاہئے، شیطان اس کے برعکس انسان کو لامحدود تمناؤں میں گھرے رکھنے کے لیے کوشاں رہتا ہے، انسان کی آرزوؤں کو جوان رکھتا ہے تاکہ وہ اس میں گھر کر آخرت سے غافل رہے، قرآن میں اللہ نے فرمایا: ''اور دراصل یہ صرف شیطان سرکش کو پوجتے ہیں جسے اللہ نے لعنت کی ہے اور اس نے بیڑا اٹھایا ہے کہ تیرے بندوں میں سے مقرر شدہ حصہ لیکر رہوں گا اور انہیں راہ سے بہکاتا رہوں گا اور باطل امیدیں دلاتا رہوں گا''۔ (۱۱۸/۴)

قمار بازی، جوئے بازی اور منشیات کی مختلف قسموں کے ذریعہ آج عالمی سماج مختلف محاذ پر خسران و بربادی سے دوچار ہے، وہ محتاج وضاحت نہیں ہے، قرآن کے مطابق یہ شیطانی عمل ہے، شیطان کی راہ ہے جس کے ذریعہ سے وہ لوگوں کو معاشی، سماجی اور مذہبی ہر اعتبار سے گمراہ اور برباد کر رہا ہے، ہر چند کہ عالمی سطح پر ہر ملک میں ان کے سد باب کے لیے ایک سے بڑھ کر ایک قوانین ہیں مگر ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'' کے مطابق حالات ہمارے سامنے ہیں، اللہ نے فرمایا: ''اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا تھان وغیرہ اور پانسے کے تیر یہ سب شیطانی کام ہیں، ان سے بالکل الگ رہو تاکہ تم کامیاب ہو، شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کرادے اور اللہ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے سو اب بھی باز آجاؤ''۔ (۹۱/۵)

محنت ومشقت کے ذریعہ حلال روزی اور ضرورت کے مطابق مال کے حصول کے لیے جائز جدوجہد کے مقابلے شارٹ کٹ راستے سے زیادہ سے زیادہ مال کا حصول حرام ذرائع سے، بغیر مزید مشقت کے مال وجاہ کا حصول یہ سب آج ایسی مہلک بیماری ہے جس نے عوام وخواص سب کو برباد کر رکھا ہے، ہر کوئی ہل من مزید کہتا اور کرتا نظر آتا ہے، اور اس کے لیے ہر ہتھکنڈے اپنا رہا ہے، نتیجہ سامنے ہے، اسلام کی نظر میں مال کو خیر کہا گیا ہے، اور خیر خیر ہی ہوتا ہے شر نہیں، لیکن اگر وہی مال جائز جدوجہد سے پرے حرام طریقے سے حاصل ہو تو یہ شیطانی فکر وعمل اور شیطنت کی راہ ہے جو از حد مہلک ہے، قرآن کہتا ہے کہ شیطان انسان کو جائز جدوجہد کی راہ سے بہکاتا ہے اور ہوس کی آگ کو بڑھاتا ہے، اللہ نے فرمایا: ''لوگو! زمین میں جتنی بھی حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں انہیں کھاؤ اور پیو اور شیطانی راہ پر نہ چلو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ (۱۴۲/۶)

شیطان مطلب عصیان وسرکشی کا پیکر، گناہ کا دیوتا، لہذا ہر وہ کام جسے شریعت نے بلکہ کم وبیش ہر مذہب نے برا گردانا ہے، گناہ اور ناجائز کہا ہے، وہ کہیں نہ کہیں شیطانی راہ اور فکر وعمل ہے ان سے بچنا چاہئے، اللہ سے بچنے کی توفیق مانگنی چاہئے، مگر ہاں ایک شیطان، جیسا کہ شروع میں بیان ہوا، تو وہی ہے جو معلوم اور عرف عام میں مشہور ہے تو دوسرے کچھ شیطان انسانوں میں بھی ہیں جو اپنے فکری مصاحب کی طرح ہی انسانوں کو ورغلاتے ہیں، آپس میں اختلاف پیدا کرتے ہیں، نفرت کو ہوا دیتے ہیں اور ہر وہ کام کرتے ہیں جو ان کے اپنے غلط مفاد کی تکمیل میں معاون ہو، ہمیں ہر دونوں شیطان سے بچنا چاہئے، ہر چند کہ پہلے کے مقابلے دوسرے شیطان کے شرور سے بچنا قدرے مشکل ہے کہ پہلا تو کھلا دشمن ہے جبکہ دوسرا چھپا ہوا دشمن ہے، اور بدیہی بات ہے کہ کھلے دشمن کے مقابلے چھپے دشمن کے شرور سے بچنا مشکل ہے، ہاں اللہ توفیق ونصرت دے تو پھر یہ عین آسان ہے، اللہ ہمیں اس کی توفیق ونصرت عطا فرمائے، آمین۔

☆☆☆

مذاہب وادیان

بدھ مت

(قسط:۷) مولانا محمد مستقیم سلفی

اس وقت گوتم بدھ کو سنیاس اختیار کئے ہوئے چھ سال ہو چکے تھے اور وہ ابھی تک اپنا مقصد حاصل کرنے میں ناکام رہے۔

اسی شام جب گوتم بدھ نے اپنا برت توڑا اور جسم کی کم از کم ضروریات کا خیال رکھتے ہوئے ایک معتدل زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا، وہ ایک پیپل کے پیڑ کے نیچے گھاس کا آسن بنا کر اپنے مخصوص انداز میں بیٹھ گئے، اور یہ عہد کرلیا کہ اس وقت تک وہ اسی جگہ بیٹھے رہیں گے جب تک کہ وہ ابدی مسرت کے راز کو نہ پالیں یا موت انہیں اپنے آغوش میں لے لے، یہ عہد کر کے اپنے مراقبہ میں مشغول ہو گئے۔

بدھ روایت کے مطابق رات کے پہلے پہر گوتم بدھ کو اپنے مراقبہ کے دوران وہ علم حاصل ہو گیا جو قدیم ہندوستان میں اعلی روحانیت کا خاصہ سمجھا جاتا تھا، یعنی انہیں اپنے پچھلے تمام جنموں کا علم جن میں مختلف صورتوں میں وہ اس دنیا میں رہ چکے تھے حاصل ہو گیا، آدھی رات کے قریب ان پر ان چار عظیم حقائق کا انکشاف ہوا جن میں بدھ مت کا بنیادی فلسفہ مضمر ہے، رات کے آخری حصہ میں گوتم سدھارتھ نے اپنے مراقبہ ہی کے اندر نروان (نجات) حاصل کرلیا اور اس طرح اپنے مقصود کو پہنچ کر وہ گوتم سدھارتھ سے گوتم بدھ ہو گئے، نروان میں گوتم بدھ کی زندگی کے مسئلہ کا حل مل گیا، ان کی ہر خلش دور ہو گئی اور وہ ابدی مسرت کے حصول میں کامیاب ہو گئے۔

نروان حاصل کرنے کے بعد گوتم بدھ اسی جگہ گیا کے پاس ''اراویلا'' کے مقام پر رکے رہے، جہاں ایک طرف وہ مراقبہ اور غور وفکر کے ذریعہ اپنے اعلی روحانی مقام کو مستحکم کر رہے تھے، وہاں ان کے سامنے یہ مسئلہ بھی تھا کہ آیا اب جب مجھے ابدی مسرت حاصل ہو چکی ہے تو اب میں دنیا سے بے نیاز ہو کر اپنی اعلی کیفیت سے لطف اندوز ہوتا رہوں، یا دنیا والوں کو بھی اس نجات کی خبر دوں جس کو پا کر وہ ہمیشہ ہمیش کے لیے زندگی اور موت کے پھندے سے آزاد ہو سکیں، گوتم بدھ ایک طویل کشمکش میں مبتلا تھے، جس میں شیطان اور اس کے لشکر نے انہیں ورغلانے اور دنیا کے لوگوں کی بھلائی کے لیے تبلیغ کرنے سے روکنے کی انتہائی کوششیں کیں، آخر کار گوتم بدھ شیطان کو شکست دے کر دنیا میں اپنے خیالات کی تبلیغ کے لیے نکل کھڑے ہوئے، انہوں نے لوگوں کو بتایا کہ:

ایک ازلی غیر مخلوق مستقل لازوال غیر متغیر (حقیقت) نروان موجود ہے۔

لوگو! اگر یہ ازلی غیر مخلوق مستقل لازوال غیر متغیر حقیقت موجود نہ ہوتی تو فانی بے ثبات مخلوق اور متغیر (دنیا) سے نجات ممکن نہیں تھی، لیکن چونکہ ایک ازلی، مستقل لازوال غیر متغیر (حقیقت) موجود ہے، اس لیے فانی بے ثبات مخلوق اور متغیر سے نجات ممکن ہے۔ (دنیا کے بڑے مذاہب ص ۸۰)

گوتم بدھ نے جب اپنے نظریات وافکار کی اشاعت شروع کی تو لوگ جوق در جوق ان کے حلقہ ارادت میں شامل ہونے لگے یہاں تک کہ کچھ ہی عرصہ میں ان کے مریدین کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی۔

سر لیوس مور لکھتا ہے کہ جب گوتم بدھ کی شہرت ان کے آبائی علاقے تک پہنچی تو ان کے ضعیف باپ نے انہیں ایک بار دیکھنے کی خواہش ظاہر کی، چنانچہ گوتم بدھ وہاں سے روانہ ہوئے اور اس نگر کے باہر ایک کنج (گوشہ) میں ٹھہر گئے، ان کا باپ اور رشتہ دار ان سے ملنے وہاں گئے اور دوسرے دن گوتم بدھ شہر میں آ گئے۔

جب یشودھرا (بیوی) نے اپنے خوبصورت راج کمار اور سرتاج کو سر منڈائے، زرد کپڑے پہنے ہوئے سنیاسی کے روپ میں آتے ہوئے دیکھا تو اپنے آپ کو سنبھال نہ سکی اور غش کھا کر زمین پر گر پڑی، جب اسے ہوش آیا تو وہ سوچنے لگی کہ اب وہ اس کا شوہر اور راج کمار نہیں ہے، اور ان دونوں کے درمیان بہت فاصلے پیدا ہو گئے ہیں، تاہم اس نے گوتم بدھ کے نئے افکار کو سنا، گوتم بدھ کے افکار یشودھرا کے دل میں اتر گئے اور اس نے گوتم بدھ سے فرقہ اناث (بھکشنیوں کی جماعت) قائم کرنے کی درخواست کی، لیکن گوتم بدھ راضی نہیں ہوئے، جب گوتم بدھ کی سوتیلی ماں ماہا جس نے آپ کی پرورش کی تھی آپ سے فرقۂ اناث کی جماعت قائم کرنے کے لیے کہا تو راضی ہو گئے جیسا کہ صاحب الدیانات الوضعیۃ لکھتے ہیں: قبل بوذا دخول النساء في سلك الرهبنة بعد تردد، كانت يشودهارا (زوجة بوذا) قد توسلت إلى زوجها البوذا ثلاث مرات لتقبل في الكنيسة، لكن طلبها لم يستجب، لكن عندما تدخلت پرادجاپاتی "ماها" الأم المرضعة والمربية لبوذا بعد موت أمه) مصحوبة بكثير من النساء المتحمسات للحقيقة، لم يستطع المقاومة وقبلهن راهبات في كنيسته بعد هجرهن الخدمة المنزلية ليعتنقن حياة والتيه حسب مقتضيات العقيدة. (الدیانات الوضعیۃ ص ۱۱۰)

یعنی بالآخر تردد کے بعد گوتم بدھ نے گوشہ نشینی اختیار کرنے والی عورتوں کو کنیسہ میں رہنے کی اجازت دے دی، حالانکہ اس سے پہلے ان کی بیوی یشودھرا نے تین مرتبہ ان سے درخواست کر چکی تھی کہ بھکشنیوں کو کنیسہ میں رہنے اور عبادت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں، لیکن انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، مگر جس وقت گوتم بدھ کی مرضعہ اور پرورش کرنے والی ماں ''ماہا'' نے عورتوں کی ایک ایسی بڑی جماعت کو ساتھ لیکر مداخلت کی جو گوتم بدھ کی چاروں حقیقتوں کی تعلیمات (جن کی تفصیل آگے آ رہی ہے) کی پرجوش حمایتی تھیں، تو گوتم بدھ انکار نہ کر سکے اور ان راہبات کو اس شرط کے ساتھ اپنے کنیسہ میں رہنے کی اجازت دی کہ وہ اپنے گھریلو معاملات سے الگ تھلگ ہو جائیں تاکہ وہ اپنے بے مقصد زندگی سے آزاد ہو کر عقیدے کے لوازمات کو پورے طور پر اختیار کر سکیں۔

گوتم بدھ کی بیوی یشودھرا اس کی سب سے پہلی بھکشنی ہوئی، بدھ مذہب میں ایسی گوشہ نشیں عورتوں کو بیرا گن کہا جاتا ہے۔

۳۵ رسال کی عمر میں نروان حاصل کرنے کے بعد اپنی بقیہ عمر کے تقریباً ۴۵ سال گوتم بدھ نے زندگی کے مسئلے اور اس کے متعلق اپنے دریافت کردہ حل کی تبلیغ میں شمالی ہندوستان اور خاص طور پر اس کے مشرقی حصہ میں گھوم کر گزارے، اس دوران علاوہ ہزاروں اُپاسک (گھر بار والے) شاگردوں کے مرد اور عورت بھکشوؤں اور بھکشنیوں کی ایک بڑی تعداد ان کے قائم کردہ سنگھ میں شریک ہو چکی تھیں، جس میں خود ان کا بیٹا راہوال، بیوی اور سوتیلی ماں جنہوں نے گوتم بدھ کی پرورش کی تھی شامل تھیں، بالآخر ۸۰ سال کی عمر میں جب کہ گوتم بدھ کُسی نارا کے مقام (موجودہ یوپی میں بنارس سے ۱۲۰ میل شمال مشرق میں) ٹھہرے ہوئے تھے، ان کا آخری وقت آ پہنچا اور ان الفاظ کے ساتھ کہ:

''بھکشوؤ! اب اس کے علاوہ مجھے تم سے اور کچھ نہیں کہنا ہے کہ جو کچھ عناصر کے طور پر گوتم بدھ خود اپنے آپ کو پیش کرتے تھے کہ دیکھو میں نے اس طریقے کے ذریعہ نروان حاصل کیا ہے، تم بھی اے لوگو! اس طریقہ کو اپنا کر اسے حاصل کر سکتے ہو۔'' (دنیا کے بڑے مذاہب ص۸۱)

بدھ مذہب کی تعلیمات:

مہاتما گوتم بدھ کا خیال تھا کہ دنیا میں چاروں طرف دکھ ہی دکھ ہے، اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے چار حقیقتوں (سچائیوں) کو اپنانے کے لیے لوگوں کو دعوت دی جائے، یہ چار حقیقتیں (سچائیاں) بدھ مذہب کے لیے اساسی حیثیت رکھتی ہیں، ان چاروں کو گوتم بدھ نے اپنے نروان حاصل کرنے کی رات، نروان سے کچھ پہلے دریافت کی تھیں اور ان کے انکشاف سے ان پر زندگی کی حقیقت اور نجات کا راستہ واضح ہو گیا تھا، بدھ مت کی اصطلاح میں ان عظیم حقیقتوں (سچائیوں) کو ''آرین ستیہ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

''چار عظیم حقیقتوں (سچائیوں) کی تشریح مہاتما گوتم بدھ نے اپنی اس پہلی تقریر میں خود کی ہے جسے انہوں نے نروان حاصل کرنے کے بعد اپنی تعلیمات کو شروع کرتے ہوئے بنارس میں سارناتھ کے مقام پر کی تھی، جہاں بعد میں اشوک نے پتھر کا ایک لاٹ نصب کراکے اس جگہ کی تاریخی حیثیت کو مستند بنا دیا، گوتم بدھ کی یہ پہلی تقریر اپنی پالی زبان میں ''دھما، چکا، پَوتنا، سُوتا'' ملتی ہے، اس کے مطابق چار عظیم حقیقتیں (سچائیاں) مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) پہلی عظیم حقیقت (یعنی سچ) دکھ ہے، یعنی زندگی کی اصل حقیقت دکھ ہے، گوتم بدھ فرماتے ہیں: (جس کا ترجمہ عربی میں یہ ہے): "الولادة حزن، والكهولة حزن، والمرض حزن، والموت حزن، وعدم الوصول إلى المحبوب حزن"۔ جو چیزیں عام طور سے دکھ کا سبب ہوتی ہیں سب اس میں شامل ہیں جیسے جسمانی تکلیف، بیماری، ذہنی پریشانی، عام حالات کی مجبوری، بدھ مت میں دکھ کی تین قسمیں بتائی گئی ہیں: (۱) دکھ دکھا تا، یعنی ایسا دکھ جسے ہر شخص محسوس کرتا ہے۔ (۲) سمکھارا دُکھا تا یعنی زندگی میں کسی عنصر کے سبب سے جو دکھ محسوس کیا جائے۔ (۳) دیپاریناما دُکھا تا یعنی زندگی کے تغیرات کے سبب سے جو دکھ جھیلا جائے۔

(۲) دوسری عظیم حقیقت (یعنی سچ) دکھ کے وجود کے اسباب ہیں، یعنی خواہش، آرزو، طلب (سنسکرت، ترشنا، پالی تنہا) ہے، جو مخلوق کو ایک جنم کے بعد دوسرے جنم میں لے جاتی ہے، مہاتما گوتم بدھ فرماتے ہیں کہ:

بھکشوؤ! میری نظر میں خواہش اور طلب جیسی کوئی اور زنجیر نہیں ہے جس سے بندھی ہوئی مخلوقات ایک جنم کے بعد دوسرے جنم میں ایک طویل عرصہ سے طلسم وجود میں چکر لگا رہی ہیں۔

(۳) تیسری عظیم حقیقت (یعنی سچ) دکھ و مصیبت کے ختم کرنے کا ہے، یعنی وہ خواہشات اور آرزوؤں کی اماتت اور دنیاوی علائق سے بے تعلقی اور گوشہ نشینی اختیار کرنے پر مبنی ہے۔

(۴) چوتھی عظیم حقیقت (یعنی سچ) وہ اشٹانگ مارگ (ہشت پہلو راستہ) ہے جس پر چل کر دکھوں کے سلسلہ کو ختم کیا جا سکتا ہے۔☆☆ (جاری)

عربی زبان کی تعلیم
جدید اصول تدریس کی روشنی میں

خطاب: فضیلۃ الشیخ اسعد الاعظمی/ حفظہ اللہ ورعاہ

''ذیل کا مضمون استاذ محترم فضیلۃ الشیخ اسعد الاعظمی حفظہ اللہ وتولاہ کا ایک گراں قدر محاضرہ ہے، جو آپ نے بتاریخ ۱۰/۲/۲۰۱۱ء کو صدر جامعہ ڈاکٹر جاوید اعظم حفظہ اللہ، محترم شیخ الجامعہ، دیگر اساتذۂ جامعہ وطلبہ کی موجودگی میں پیش کیا، محاضرہ چونکہ اپنی نوعیت کا منفرد، پرمغز اور مفید تر تھا، اس لیے ناچیز نے اس کی تلخیص پیش کرنے کی سعی کی ہے، اب استاذ محترم کی نظر ثانی کے بعد افادۂ عام کی غرض سے ''محدث'' کے صفحات کے ذریعہ قارئین تک پہونچایا جارہا ہے، اللہ تعالیٰ اسے نفع بخش بنائے''۔

(مرتب: راشد حسن فضل حق مبارکپوری
فضیلت سال آخر، جامعہ سلفیہ، بنارس)

الحمدلله و كفى و سلام على عباده الذين اصطفى، أما بعد:

قال تعالىٰ: ﴿ ومن آياته خلق السمٰوٰت والارض واختلاف ألسنتكم و ألوانكم إن في ذالك لآيات للعالمين﴾ [الروم:۲۲]

صدر جامعہ محترم ڈاکٹر جاوید اعظم صاحب، شیخ الجامعہ صاحب، اساتذۂ کرام، عزیز طلبہ ودیگر حاضرین...

اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم اور اس کا شکر واحسان ہے کہ اس نے ایک اہم دینی وعلمی مقصد کے لیے ہمیں اکٹھا ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔

عزیز طلبہ! آپ جانتے ہیں کہ یہ پروگرام کیوں منعقد ہوا، دراصل عربی بولنے لکھنے اور پڑھنے کے حوالے سے طلبہ عموماً اپنی کمزوری اور بے مائیگی کا شکوہ کرتے ہیں، چنانچہ اس احساس اور طلبہ کے بار بار اصرار نے مجھے مجبور کیا کہ میں اس موضوع پر اظہار خیال کروں، اسی لیے میں حاضر ہوا ہوں۔

زبان میں کمزوری...اسباب وعلاج:

عربی زبان وادب میں ہمارے ضعف وکمزوری اور ناپختگی کا زیادہ تعلق گفتگو ومحادثہ سے ہے، تحریر وکتابت میں مسلسل مشق ومزاولت اور ہمہ وقت سابقہ رہنے سے بقدر ضرورت استعداد پیدا ہوجاتی ہے، لیکن کسی کے سامنے عربی میں گفتگو وتکلم

کے وقت ہماری زبانیں گنگ اور دل پریشان حال ہوجاتا ہے، یہ افسوس ناک صورت حال ہندوستان کے بیشتر اہم اداروں کی ہے، اور نہ صرف ہند، برصغیر بلکہ بلا مبالغہ عرب ممالک کے ماسواء تمام عجمی مملکتوں کی یہی دل شکن حالت زار ہے۔ تعلیم وتعلم سے منسلک اصحاب اور خامہ وقرطاس سے وابستہ ارباب کی تحریروں، تقریروں اور شرف ہم کلامی سے یہ اندازہ ہوا کہ یہ بیماری بڑی وسیع و ہمہ گیر ہے، مدارس و جامعات کی عمومی فضا یہی بن گئی ہے، ان کمزوریوں کے اسباب ووجوہ میں اشتراک اور یکسانیت ہے، لہذا ان کمزوریوں کے تدارک کی راہیں کیا ہیں، جدید اصول تدریس اس سلسلے میں ہماری کیا رہنمائی کرسکتا ہے، ہمیں اسی نقطہ پر غور کرنا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ دنیا کی تمام زندہ زبانوں کی تعلیم وتعلم کے اصول وقواعد قریب قریب یکساں وہم آہنگ ہوتے ہیں، زبان کی تعلیم کے تعلق سے انگریزوں کی کوششیں لائق مطالعہ ہیں، جب انہوں نے دیگر مملکتوں کو غلامی کی زنجیر میں جکڑنا اور ان پر اپنا غاصبانہ تسلط قائم کرنا شروع کیا تو اس وقت ان ممالک کی زبان اور اصول وقواعد کی طرف توجہ ان کے لیے ناگزیر ہوگئی، ساتھ ہی ان ممالک میں اپنی زبان وثقافت کی ترویج واشاعت بھی ان کے مقاصد میں شامل تھی، پھر دیگر اقوام کے ساتھ اقتصادی ومعاشی روابط اور ان کے ساتھ اختلاط وتعلقات نے اس جانب التفات واعتناء کو مزید پختگی وقوت دی، چنانچہ انہوں نے زبان ولغت کے فہم وتفہیم کے لیے بہت سے اصول ومبادی اور قواعد وضوابط وضع کیے، اور ان کو باری باری آزمایا، جن کی مدد ومعاونت سے یہ پر پیچ راہ کسی قدر آسان ہوگئی، اور زبان کے سیکھنے سکھانے کے تعلق سے بہت ہی اہم اور لائق اعتناء طریقے دریافت ہوئے۔ ان قواعد میں سے کچھ یہ ہیں:

۱- الطريقة المباشرة:

یعنی جس طرح ایک بچہ مادری زبان براہ راست سیکھتا ہے اسی طرح کسی دوسری زبان کا سہارا لئے بغیر اس زبان کو سیکھنا، مثلاً عربی کو عربی ہی سے اور انگریزی کو انگریزی سے سیکھنا، بطور معاون مادری زبان کو استعمال نہ کرنا، اسے ''Directe methode'' کہتے ہیں، اس میں علی الترتیب زبان کو سن کر پھر بول کر، پھر پڑھ کر، پھر لکھ کر سیکھا اور سمجھا جاتا ہے۔

۲- طريقة القراءة:

اس میں زبان کے فہم ونطق کی معمولی تربیت کے بعد اس زبان کی منتخب تحریروں کے مطالعے پر زور دیا جاتا ہے، یہ طریقہ خاص مقاصد اور خاص مقامات میں استعمال ہوتا ہے۔

۳-الطريقة السمعية الشفوية:

مطلوبہ زبان سن کر کے سمجھنا اور اس زبان میں بات چیت کی مشق کرنا اور سیکھنا، اس کے علاوہ بھی بہت سے طریقوں کو انہوں نے آزمایا اور ان کی ایجابیات وسلبیات کو پرکھا۔

جدید اصول تدریس میں یہ بات کافی اہمیت کی حامل ہے کہ زبان کی تدریس وتفہیم کے وقت استاذ اور شاگرد دونوں کی مشارکت ضروری ہے، سوال وجواب کا تبادلہ زبان کی تعلیم کی اہم بنیاد ہے، لہذا یہ استاذ کی اہم ذمہ داری ہے کہ طالب علم کو تعلیم

میں شریک رکھے۔

یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ زبان صرف تحریر و کتابت کا نام نہیں، صرف تحریر و کتابت سے سلیقۂ گفتگو نہیں آسکتا، جب کہ گفتگو کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے، اس کے باوجود اس کی طرف توجہ بہت کم ہے،.....زبان سکھانے کے لیے جو اصول وضع کیے گئے ہیں، ان میں یہ بھی شامل ہے کہ سیکھنے کا یہ عمل ایک ترتیب سے ہو اور مرحلہ وار طریقے پر انجام پائے، اس کی ترتیب اس طرح ہو.....

۱- الفهم والاستماع: یعنی پہلے مطلوبہ زبان سننا اور سمجھنا۔

۲-النطق والمحادثة: پھر اس زبان میں گفتگو اور بات چیت۔

۳- القراءة.....: پھر پڑھائی اور مطالعہ۔

۴-الكتابة.....: پھر تحریر و کتابت۔

یہ ترتیب فطری و جبلی ہے، علماء لسانیات نے یہ ترتیب دراصل بچہ سے لی ہے کہ بچہ پہلے سنتا اور سمجھتا ہے، پھر بولتا ہے، پھر پڑھنا اور پھر سب سے اخیر میں لکھنا شروع کرتا ہے، اس طرح مرحلہ وار تعلیم و تعلم، فہم و تفہیم میں مضبوطی اور پختگی پیدا ہوتی جائے گی۔

یہ اسالیب اور ہمارا رویہ:

میرے بھائیو.....! زبان سیکھنے کے حوالے سے یہ طریقے اور ترتیبات غیر معمولی اہمیت کی حامل ہیں، بلا ان کی رعایت ولحاظ کے کسی بھی زبان کا سیکھنا مشکل ترین کام ہے، جب ہم ہندوستان میں رائج طریقۂ تدریس کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ہمارے عربی مدارس کے نصاب و نظام ان اصولوں سے کافی حد تک خالی ہیں۔ إلا ماشاء اللہ

مدارس کے ارباب حل وعقد کو چاہئے کہ ان امور پر توجہ دیں، اور اس کے لیے اجتماعی کوشش کریں، دراصل مدارس میں آٹھ دس سال تک عربی زبان اور اس کی کتابیں پڑھنے پڑھانے کے باوجود عربی سمجھنے اور بولنے کی تربیت کا کوئی معقول و مناسب بندوبست نہیں ہوتا، ارباب مدارس و جامعات کے لیے غور وفکر کا یہ ایک اہم گوشہ ہے، اس کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہئے، اس کے لیے کتابیں لکھی جائیں، نصاب تیار کئے جائیں، اور بول چال کی گھنٹیاں خاص کی جائیں، یہ دور گلوبلائی زیشن کا دور ہے، عروج وارتقاء کی کمندیں آسمانوں پر ڈالی جا چکی ہیں، دنیا جہان کے لوگوں سے رابطہ رکھنا معمولی کھیل بن گیا ہے، تعلقات وروابط کی ایک وسیع تر دنیا وجود پذیر ہو چکی ہے، اب علم صرف کتابوں اور سینوں میں رکھنا لاحاصل و بے سود ہے، زبان کا استعمال ایک بے بدل ضرورت بن گئی ہے، بلا بات چیت و گفتگو کے اس دنیا میں گزارۂ زیست ایک چلتی پھرتی لاش کے مانند ہے، علمی، اقتصادی، سیاسی، معاشرتی، تمدنی ہر میدان میں کامیابی کے لیے بول چال کی زبان سیکھنا ضروری ہے۔ یہ کام صرف کتابوں کی ورق گردانی سے نہیں ہوگا، بلکہ ان اصولوں کی پاسداری کرنی ہوگی، جن کی طرف اشارہ کیا گیا، جنہیں علماء لسانیات نے وضع کیا ہے۔

دنیا کی زندہ زبانوں کو ''اللغة الحية'' کہا جاتا ہے، یعنی ایسی زبانیں جن کا ہر میدان میں استعمال ہوتا ہے، خواہ اس کا تعلق دینی و علمی امور سے ہو یا دنیاوی، زندگی کی ہر شاخ اور شعبے میں بولی اور سمجھی جاتی ہو، زبان کی ایک دوسری قسم ہے، جسے

''اللغة نصف الحية''یعنی نصف زندہ زبان کہا جاتا ہے، یہ ان زبانوں کو کہا جاتا ہے، جو زندگی کے تمام گوشوں کو شامل نہ ہوں، بلکہ صرف دینی وعلمی ضرورتوں تک محدود ہوں، ہم نے عربی زبان کے ساتھ یہی رویہ اختیار کر رکھا ہے، دینی مناسبتوں و مواقع پر اس کا استعمال تو کرتے ہیں، لیکن دیگر مواقع پر اسے ہم ناقابل استعمال سمجھتے ہیں، جب کہ پوری دنیا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عربی زبان دنیا کی زندہ جاوید زبانوں میں سے ہے، لیکن ہمارا رویہ اس کے ساتھ غیر منصفانہ ہے، کون نہیں جانتا کہ قراءت وکتابت سے زیادہ ضرورت گفتگو کی ہوتی ہے، اور یہی تاریخ انسانی کی ترتیب بھی ہے کہ انسان نے سب سے پہلے بولنا سیکھا، پھر اس کے صدیوں بعد پڑھنا، لکھنا سیکھا، اور بولنے کے لیے مشق ومزاولت ضروری ہے۔

عربی بول چال میں کمزوری کے اسباب:

عربی زبان وبیان، گفتگو ومحادثہ میں کمزوری کے اسباب تو بہت ہو سکتے ہیں، لیکن چند اہم اسباب یہ ہیں:

۱- مقصد تعلیم کا تعین: عام طور سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ عربی زبان کی تعلیم سے ہمارا اصل مقصد اور بنیادی نقطۂ نگاہ کتاب وسنت ومتعلقہ علوم کی افہام وتفہیم ہے، ہم اسے صرف سمجھنے کی حد تک استعمال کرتے ہیں، لیکن یہ خیال درست نہیں، بلکہ قرآن مجید تو بلاغت ومعانی کا گلدستہ اور زبان وادب کا اعلیٰ نمونہ ہے، اور حدیثی زبان بھی فصاحت وبلاغت کا گنجۂ گراں مایہ ہے، روزمرہ کی گفتگو پر مشتمل ہے، لہذا ضروری ہے کہ ہم اسے اپنی گفتگو میں استعمال کریں، صرف پڑھنے وسمجھنے کی حد تک اسے محدود نہ رکھیں۔

۲-طريقة القواعد و الترجمة: عربی زبان کی تعلیم کے لیے یہ طریقہ دنیا بھر میں صدیوں سے رائج ہے، اس میں استاذ طلبہ کو عربی زبان کے قواعد اور مفردات پڑھاتا اور رٹاتا ہے، اردو عربی لغت سے مدد لیتا ہے، اور عربی سے اردو، اردو سے عربی میں ترجمہ کرنے کی مشق کراتا ہے، اس کے ذریعہ تو اس زبان میں تحریر وکتابت کا کسی قدر ذوق وملکہ تو پیدا ہو سکتا ہے، لیکن اس زبان میں گفتگو وتکلم کا مذاق پیدا نہیں ہو پاتا، آج کے دور میں ہمارا تعلیمی نصاب بھی اسی طرح کا ہے، اسی لیے تکلم و محادثہ میں کمزوری باقی رہ جاتی ہے۔

۳- قدیم درسی کتابیں: مدارس کے نصاب میں آج بھی نحو، صرف وغیرہ کی وہی صدیوں پرانی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، جو اس دور اور زمانہ کا لحاظ کرتے ہوئے لکھی گئی تھیں، ان کتابوں میں بول چال کی زبان پر زیادہ توجہ نہیں دی گئی ہے، میں ان کتابوں کی اہمیت ومعنویت کا منکر نہیں، لیکن اب زمانہ بہت بدل چکا ہے، بول چال کی زبان کی ضرورت دن بدن بڑھتی جارہی ہے، اس لیے اب جو کتابیں جدید طرز پر لکھی گئی ہیں، ان کو داخل نصاب کرنا چاہئے، کیونکہ ان قدیم کتب سے اصول و قواعد سے تو واقفیت ہو سکتی ہے، لیکن گفتگو ونطق کا ملکہ پیدا نہیں ہو سکتا، اس لیے یہ کمزوری اب بھی پائی جاتی ہے۔

۴- مادری زبان کا کثرت سے استعمال: گفتگو میں کمزوری کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہمارے مدارس میں متوسطہ سے فضیلت تک کے تمام درجات میں اردو زبان ہی کا استعمال ہوتا ہے، تمام کتب کا اردو میں ترجمہ کرایا جاتا ہے، اگر اوپر کے درجات میں ترجمہ والی تعلیم کم کرتے کرتے ختم کردی جائے، اور عربی بولنے اور سمجھنے پر زور دیا جائے تو بہتر ہوگا، ''دارالحدیث

رحمانیہ دہلی''، بہت مشہور ادارہ تھا، وہاں عالمیت وفضیلت کے درجات میں عربی ہی میں تدریس ہوتی تھی۔

۵- کتب قواعد کا دوسری زبان میں ہونا: یہ بھی کمزوری کا ایک اہم سبب ہے کہ عربی زبان کے اصول، نحو، صرف وغیرہ کی بہت سی کتابیں فارسی میں ہوتی تھیں، جیسے نحو میر، میزان منشعب، پنج گنج، فصول اکبری، علم الصیغہ وغیرہ، طلبہ کی صلاحیتیں پوری فارسی عبارت کے حل میں لگ جاتی تھیں، تو کہاں سے عربی سمجھیں گے، اب الحمدللہ اکثر مدارس سے یہ کتابیں خارج کی جا چکی ہیں، اور اردو یا عربی کی کتابیں داخل کی گئی ہیں، ہمارے جامعہ میں دروس اللغۃ، النحو الواضح، القواعد العربیہ المیسرۃ وغیرہ، پڑھائی جاتی ہیں، جن سے تکلم کی یہ کمزوری کافی حد تک دور ہوسکتی ہے۔

کمزوریوں کا علاج:

تکلم میں پائی جانے والی عمومی کمزوریوں کا علاج اور اس کے حل کی درج ذیل راہیں ہیں:

۱- عزم وشوق اور بلند حوصلگی: ان کمزوریوں کے تدارک کے لیے سب سے اہم چیز یہ ہے کہ آپ کے اندر ذوق و شوق، علو ہمتی اور بلند حوصلگی ہونی چاہئے، اور رکاوٹوں کو دور کرنے کا عزم مصمم ہونا چاہئے۔

۲- مواقع کا استعمال: یہ شکوہ تو طلبہ کی جانب سے ہوتا ہے کہ یہاں ماحول نہیں، بولنے والے نہیں، اس کے تدارک کے لیے ضروری ہے کہ نماز میں قرآن مجید کی تلاوت پر تدبر اور غور وفکر کریں، دوسرے یہ کہ ہفتہ واری انجمنوں میں پوری توجہ وانہماک سے تقریریں سنیں اور سمجھنے کی کوشش کریں، طلبہ اپنے ہاسٹل میں اور اپنے ساتھیوں کے مابین عربی زبان میں بات چیت کریں۔

۳- ذرائع ابلاغ کا استعمال: آج کا دور تو کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کا دور ہے، اس میں آپ طرح طرح کے عربی پروگرام، بڑے بڑے علماء کی تقریریں بآسانی سن سکتے ہیں، صرف انہیں استعمال میں لانے کی ضرورت ہے، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور ٹیپ ریکارڈ وغیرہ سے بھی عربی پروگرام وتقاریر وغیرہ سن کر بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔

۴- سماع وقراءۃ: ایک طریقہ زبان میں مہارت کا یہ بھی ہے کہ کوئی طالب علم عربی کی کتاب پڑھے، دوسرے اسے غور سے سنیں اور سمجھنے کی کوشش کریں، اور اس سے متعلق سوال وجواب کریں۔

گفتگو میں قابل توجہ امور:

عربی زبان اپنے بہت سارے خصائص وامتیازات کی وجہ سے منفرد وجداگانہ ہے، لہذا اس میں گفتگو کے وقت بہت سارے امور کا لحاظ وخیال رکھنا ضروری ہے۔

۱- مخارج کی ادائیگی: عربی زبان کو ''لغۃ الضاد'' بھی کہتے ہیں، کیونکہ اس میں مخارج کی بڑی اہمیت ہے، اور ضاد کی صحیح ادائیگی مشکل ترین کاموں میں سے ہے، اگر مخارج کی رعایت نہ کی جائے تو بہت ساری معنوی تبدیلی آجائے۔

درج ذیل الفاظ کے اندر اگر صوتی فرق ملحوظ نہ رکھا جائے اور سب کو ایک ہی طرح ادا کیا جائے تو معانی میں کتنا تفاوت ہوگا،: ذلّ، زلّ، ضلّ، ظلّ، جلّ۔ اسی طرح: تأ لمون-تعلمون، تین-طین، عمل-أمل، قلب-کلب وغیرہ

۲- اعراب: دنیا میں دوطرح کی زبانیں پائی جاتی ہیں، (۱) اعرابی (۲) غیر اعرابی، عربی زبان اعرابی زبان ہے، جبکہ اردو، انگریزی وغیرہ غیر اعرابی ہے، اس لیے استعمال کے وقت اعراب کی صحت اور قواعد کی تطبیق پر توجہ دینی چاہئے، اعرابی غلطیوں کی تصحیح ایک طالب علم کے لیے نہایت ضروری ہے۔

۳- تدریج ومرحلہ واریت: زبان کے استعمال میں ''البدأ بالاقرب فالاقرب'' کے قاعدے کو ملحوظ رکھنا چاہئے، گفتگو کرنے لیے، یا لکھنے کے لیے ابتداء ہی میں بڑے بڑے موضوعات کا انتخاب نہیں کرنا چاہئے، بلکہ قریب پاس کی چیزوں کا عام بول چال کے جملے میں استعمال کرنا چاہئے، پھر رفتہ رفتہ خود بخود مزاولت ومشق سے پختگی آتی چلی جائے گی۔

۴- مادری زبان کا کم سے کم استعمال: ہم اپنے طلبہ سے یہ گذارش کرتے ہیں کہ عربی بولنے کا ایک ماحول بنائیے، وقت مقرر کر لیجئے کہ درس گاہ میں، ہاسٹل میں، سیر وتفریح کے وقت ہمارے زبان عربی ہی ہوگی، اردو بولنے پر پابندی لگا لیجئے، چند ہی دنوں بعد آپ تبدیلی محسوس کریں گے۔

پڑھنے اور مطالعہ کرنے میں قابل توجہ امور:

عربی زبان کے مطالعہ کے وقت چند چیزیں ضروری ہیں:

۱- مفردات اور اصول وقواعد: کسی بھی زبان کو سیکھنے کے لیے یہ دونوں چیزیں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں، اس سلسلے میں بے شمار عمدہ سے عمدہ ترکتابیں لکھی گئی ہیں، لیکن آپ ''طلبہ'' کو ان میں بہت زیادہ محنت نہیں کرنی پڑے گی، اس لیے کہ ۷، ۸ سال پڑھنے کے بعد اصول وقواعد بھی پختہ ہو جاتے ہیں، اور مفردات کا بھی اچھا خاصا ذخیرہ ہو جاتا ہے، صرف استعمال کی کمی ہوتی ہے۔

۲- کثرت مطالعہ: آپ کا مطالعہ صرف درسی کتابوں تک محدود نہ ہو، غیر درسی کتابیں بھی پڑھئے، ملکی وغیر ملکی بہت سارے رسائل وجرائد یہاں آتے ہیں، ان کا مطالعہ کیجئے، مطالعہ میں تکرار، ترتیب اور تسلسل ہونا چاہئے، کوئی بھی چیز پڑھئے پوری گہرائی وگیرائی کے ساتھ پڑھئے۔

تحریر وانشاء پردازی میں قابل توجہ امور:

۱- آسان موضاعات: مضمون نگاری اور تحریری صلاحتیں پروان چڑھانے کے لیے سب سے پہلے چھوٹے چھوٹے جملے لکھئے، آسان موضوعات کا انتخاب کیجئے، ابتداء ہی میں حضارۃ، اور حقوق انسانی وغیرہ موضوعات پر قلم مت اٹھائیے۔

۲- روزمرہ کے معمولات کو لکھنا: اگر مشق کے طور پر دن بھر کی کارگزاری اپنی کاپی میں عربی زبان میں روزانہ لکھنے کی عادت ڈالیں، تو یہ چیز انشاء پردازی کے لیے بنیاد ثابت ہوگی، اور اس سے قلم میں روانی پیدا ہوگی۔

۳- ماحصل لکھنا: آپ اگر کسی کتاب یا مضمون کا مطالعہ کریں، تو کوشش یہ کریں کہ اس کا خلاصہ وتلخیص یا مضمون نگار کے افکار اپنے اسلوب ولہجے میں (عربی زبان میں) لکھیں، اس سے تحریر میں قوت پیدا ہوتی ہے۔

غلطیاں:

زبان کے استعمالات میں جو غلطیاں سرزد ہوں، ان کا جائزہ لینا چاہئے، ان کے اسباب تلاش کرنے چاہیں، تاکہ

انہیں ختم کرنا آسان ہو،غلطیاں طلبہ سے کئی طرح کی سرزد ہوتی ہیں،کبھی.....

۱- اردو،عربی کے الفاظ کی یکسانیت کی وجہ سے التباس ہوجاتا ہے،یعنی لفظ تو ایک ہی ہے،مگر اردو میں کسی اور معنی میں استعمال ہوتا ہے،مگر عربی میں دوسرے معنی میں۔

۲- کبھی اردو زبان کے اثر سے تذکیر وتانیث کی غلطی ہوتی ہے،جیسے کتاب،میت،مسجد اردو میں مؤنث ہے اور عربی میں علامت تانیث نہ ہونے کی وجہ سے مذکر۔

۳- کبھی صلہ کے استعمال میں غلطی ہوتی ہے،جیسے قلت له کے بجائے قلت منه،و صلت إلى المسجد کے بجائے وصلت المسجد۔

۴- ہم معنی الفاظ کے استعمال میں غلطی ہوتی ہے،جیسے أقرأ،أدرس،أتعلم،اطالع وغیرہ بظاہر ان الفاظ کے معانی ایک ہیں،مگر عربی میں الگ الگ سیاق میں استعمال ہوتے ہیں۔

آخری گذارش:

میرے بھائیو.....!زبان سیکھنا اور فن کی بلندیوں پر پہونچنا کچھ مشکل کام نہیں،ان اصولوں کو سامنے رکھ کر آپ بہت سی پریشانیوں کا سدباب کرسکتے ہیں،بس ضرورت ہے محنت وجفاکشی کی،کامیابی آپ کا قدم چومے گی،دنیا آپ کے استقبال کے لیے تیار ہے،پوری یکسوئی کے ساتھ پانے مقصد کے حصول میں لگ جایئے،ان جامعات ومدارس سے کچھ بن کر نکلیے،اپنا بھی نام روشن کیجئے،ان اداروں کا نام بھی روشن کیجئے،ہماری نیک خواہشات اور دعائیں آپ کے ساتھ ہیں،اللہ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے،آمین

☆☆☆

جامعہ اسلامیہ سنابل نئی دہلی میں نادی الطلبہ جامعہ اسلامیہ سنابل نئی دہلی کے زیر اہتمام حفظ وتجوید وتفسیر قرآن کریم،حفظ احادیث،خطابت ومقالہ نویسی کے مختلف مسابقات کا انعقاد بتاریخ:۱۵/ستمبر ۲۰۱۱ء بروز جمعرات تا ۱۸/ستمبر بروز اتوار ۲۰۱۱ء ہوگا۔اس اہم مسابقوں کی تفصیلات وشرائط درج پتہ سے معلوم کئے جاسکتے ہیں:

نادی الطلبہ،جامعہ اسلامیہ سنابل،مقابل کالندی کنج،ابوالفضل انکلیو-II،
جامعہ نگر(پوسٹ باکس:۹۷۵۹)نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵
Nadi-Al-Talaba, Jamia Islamia Sanabil, Opp. Kalindi Kunj
Aul Fazal Enclave-II, Jamia Nagar, (P.O.) Box: 9759), New Delhi - 110025
Ph: 011-29944951, 29994948, Mob.: 07503551662

اہل جنت کے اوصاف وخصائل
قرآن مجید کی روشنی میں

ملخص عربی کتابچہ " من الفائز ؟ "

سعید الرحمٰن عبد المجید/ فاضل جامعہ سلفیہ بنارس

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جس نے انسانی زندگی کے ہر گوشہ اور ہر پہلو کو پیش نظر رکھا ہے اور انسانی زندگی کی کامیابی وکامرانی کے لیے ایسے قواعد وضوابط بتلائے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر ایک انسان اپنی دنیا اور آخرت دونوں سنوار سکتا ہے، ان شاء اللہ، لیکن حقیقی کامیابی وکامرانی اخروی کامیابی ہے، آدمی کو دنیا کے اندر جتنی بھی کامیابی وکامرانی حاصل ہو جائے، ایک نہ ایک دن اس کے لیے زوال ہے، آدمی مالدار ہوتا ہے، لیکن بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اسے غربت سے دوچار ہونا پڑتا ہے، آدمی کے پاس طاقت وقوت ہوتی ہے، لیکن مرور ایام کے ساتھ عمر جیسے جیسے ڈھلتی ہے، اس کے اندر کمزوری پیدا ہونے لگتی ہے، آدمی صحت مند ہوتا ہے پھر مرض اس کا پیچھا کرتا ہے اور اس کی صحت وتندرستی کو بگاڑ دیتا ہے، غرضیکہ ہر نعمت اور ہر کامیابی جو انسان کو دنیاوی زندگی میں میسر ہوتی ہے، اس کو ایک نہ ایک دن زوال ہے اور بذات خود انسانی زندگی کو دوام نہیں ہے، یہ کامیابی وکامرانی انسان کے لیے ایک وقتی وعارضی کامیابی وکامرانی کی حیثیت رکھتی ہے، حقیقی اور لازوال کامیابی تو اخروی کامیابی ہے، اس کامیابی کے سامنے ساری کامیابیاں ہیچ ہیں، حقیقی کامیابی موت کے وقت کی کامیابی ہے کہ انسان اپنی موت کے وقت اسلام پر قائم ودائم رہے، حقیقی کامیابی ملک الموت کے سوال وجواب کے وقت ہے کہ انسان ان کے سوالوں کا صحیح صحیح جواب دے لے جائے، حقیقی کامیابی میدان محشر کی کامیابی ہے کہ جب نامۂ اعمال تقسیم ہو تو اس کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں ملے۔

اللہ تعالی اسی کامیابی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿فأما من أوتي كتابه بيمينه فيقول هاؤم اقروؤا كتابيه، اني ظننت أني ملق حسابيه﴾ (الحاقۃ:۱۹-۲۰)

سو جسے اس کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہنے لگے گا کہ لو میرا نامۂ اعمال پڑھو مجھے تو کامل یقین تھا کہ مجھے اپنا حساب ملنا ہے۔ (ترجمہ مولانا محمد جونا گڈھیؒ)

قرآن مجید میں اللہ رب العالمین ایسے کامیاب حضرات کے کچھ صفات بتلائے ہیں جن کو میں اختصار کے ساتھ قرآن مجید کی آیات کی روشنی میں بیان کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

اللہ رب العالمین نے قرآن کے اندر فائزین بالجنۃ کے کچھ صفات کا تذکرہ کیا ہے، جو یہ ہیں:

(۱) پہلی صفت: اللہ رب العالمین پر ایمان لانا:

اللہ تعالی ارشادفرماتا ہے: ﴿وعد الله المؤمنين والمؤمنات جنات تجري من تحتها الأنهار خالدين فيها ومساكن طيبة في جنات عدن ورضوان من الله أكبر ذلك هو الفوز العظيم﴾۔ (التوبۃ:۲)

ان ایمان دار مردوں اور عورتوں سے اللہ تعالی نے ان جنتوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، جہاں وہ ہمیشہ ہمیش رہنے والے ہیں اور ان صاف ستھرے پاکیزہ محلات کا جو ان ہمیشگی والی جنتوں میں ہیں اور اللہ کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہے، یہی زبردست کامیاب ہے۔ (تفسیر جونا گڈھیؒ)

دوسری جگہ اللہ رب العالمین انہیں مومنین ومومنات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿يوم ترى المؤمنين والمؤمنات يسعى نورهم بين أيديهم وبأيمانهم بشراكم اليوم جنات تجري من تحتها الأنهار خالدين فيها ذلك هو الفوز العظيم﴾ (الحدید:۱۲)

قیامت کے دن تو دیکھے گا کہ مومن مردوں اور عورتوں کا نور ان کے آگے آگے اور ان دائیں دوڑ رہا ہوگا، آج تمہیں ان جنتیوں کی خوشخبری ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، جن میں ہمیشہ کی رہائش ہے، یہ ہے بڑی کامیابی۔ (تفسیر جونا گڈھی)

ان دونوں آیتوں میں اللہ رب العالمین نے انسان کی اخروی کامیابی کے لیے ایمان باللہ کی شرط لگائی اور مومنین اور مومنات ہی کے لیے اپنی نعمتوں کا وعدہ فرمایا ہے، لہذا ایمان باللہ پہلی صفت ہے، جو انسان کی اخروی کامیابی کے لیے سب سے ضروری ہے، اس لیے کہ اگر انسان اللہ رب العالمین پر ایمان نہیں رکھتا ہے تو وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے اور وہ کافر ہے، اور کفر جہنم رسید کرنے والا ہے۔

(۲) دوسری صفت: عمل کی درستگی:

یعنی انسان کا عمل اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کے مطابق خالص اللہ رب العالمین کی رضا وخوشنودی کے لیے ہو، اس میں ریا ونمود کا شائبہ نہ ہو، اللہ تعالی ارشادفرماتا ہے: ﴿يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وقولا قولا سديدا، يصلح لكم أعمالكم ويغفر لكم ذنوبكم ومن يطع الله ورسوله فقد فاز فوزا عظيما﴾۔ (الاحزاب:۷۰-۷۱)

اے ایمان والو! اللہ تعالی سے ڈرو اور سیدھی سیدھی باتیں کیا کرو، تاکہ اللہ تعالی تمہارے کام سنوار دے اور تمہارے گناہ معاف فرمادے، اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی تابعداری کرے گا، اس نے بڑی مراد پالی۔ (ترجمہ مولانا محمد جونا گڈھی)

انسان کا ہر عمل اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کے مطابق ہو، اس کے ہر عمل سے اللہ اور اس کے رسول کی پیروی اور تابعداری کی جھلک آتی ہو، عمل کی قبولیت کے جو شرائط مطلوب ہیں، وہ مطلوبہ شرائط اس کے عمل میں پائے جائیں، تب اس کا عمل اللہ کی نگاہ میں قابل قبول ہوگا، ورنہ اس کا وہ عمل رد کردیا جائے گا۔

(۳) سلف کی اتباع کرنا اور بدعات کو ترک کردینا:

فائزین بالجنۃ کی تیسری صفت سلف صالحین کی اتباع اور بدعات وخرافات سے اجتناب کرنا ہے اور اللہ رب العالمین ارشادفرماتا ہے:

﴿والسابقون الأولون من المهاجرين والأنصار الذين اتبعوهم باحسان رضي الله عنهم ورضوا عنه وأعد لهم جنات تجري من تحتها الأنهار خالدين فيها ذلك الفوز العظيم﴾۔ (التوبۃ:۱۰۰)

اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں، اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جن میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے، یہ بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت کے اندر اللہ رب العالمین نے سابق ومقدم لوگوں کی اتباع وپیروی کرنے والوں سے رضامندی کا اظہار کیا ہے، اور ان کے لیے اپنی بیش بہا نعمتوں کا وعدہ کیا ہے اور اسی کو سب سے بڑی کامیابی سے تعبیر کیا ہے، لہذا معلوم ہوا کہ سلف کی اتباع اور بدعات وخرافات اور لایعنی باتوں سے اجتناب وپرہیز ضروری ہے، اور اسی میں انسان کے لیے کامیابی ہے۔

(۴) امور معصیت سے اجتناب:

معصیت کے امور انسان کے دل کو تاریک کر دیتے ہیں اور خیر کی کوئی چیز راسخ نہیں ہونے دیتے اور انسان کو اللہ کی نظر میں حقیر وکمتر بنا دیتے ہیں اور اس کو ذلت ورسوائی کے غار تک پہنچا دیتے ہیں، جس کے نتیجے میں انسان دنیا وآخرت دونوں میں اللہ رب العالمین کے عذاب وعقاب کا مستحق بن جاتا ہے، لہذا انسان کی کامیابی وکامرانی اسی وقت ممکن ہے جب وہ معصیت کے امور سے حتی المقدور اجتناب کرے۔

اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿ومن يطع الله ورسوله يدخله جنات تجري من تحتها الأنهار خالدين فيها وذلك الفوز العظيم ومن يعص الله ورسوله ويتعدد حدوده يدخله نارا خالدا فيها وله عذاب مهين﴾ (النساء:۱۳-۱۴)

جو اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے گا اسے اللہ تعالی جنتوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے، اور جو شخص اللہ تعالی کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقرر کردہ حدوں سے آگے نکلے اسے وہ جہنم میں ڈال دے گا جن میں وہ ہمیشہ رہے گا، ایسوں ہی کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔ (مولانا جونا گڈھیؒ)

اس آیت کے اندر اللہ رب العالمین نے کامیابی وکامرانی کے لیے اطاعت اللہ اور اطاعت رسول کی شرط لگائی ہے اور اسی کو بڑی کامیابی بتایا ہے اور عاصی اور حد سے تجاوز کرنے والے کے لیے جہنم کی وعید سنائی ہے، لہذا انسان کی کامیابی کے لیے یہ لازمی شئی ہے کہ وہ اطاعت میں آگے بڑھے اور معصیت سے اجتناب کرے۔

(۵) سچائی وراست بازی:

فائزین بالجنۃ کی یہ پانچویں صفت ہے، اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

﴿قال الله هذا يوم ينفع الصادقين صدقهم لهم جنات تجري من تحتها الأنهار خالدين فيها

أبدا رضي الله عنهم ورضوا عنه، ذلك الفوز العظيم﴾ (المائدۃ:۱۱۹)

اللہ ارشاد فرمائے گا کہ یہ وہ دن ہے کہ جو لوگ سچے تھے ان کا سچا ہونا ان کے کام آئے گا، ان کو باغ ملیں گے، جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے، اللہ تعالی ان سے راضی اور خوش اور یہ اللہ سے راضی اور خوش ہیں، یہ بڑی (بھاری) کامیابی ہے۔ (ترجمہ مولانا جونا گڈھیؒ)

اس آیت میں اللہ رب العالمین نے سچ اور سچے لوگوں کی مدح بیان کی ہے اور ان کے لیے سچائی کو ایک نفع بخش چیز بتلایا ہے کہ قیامت کے دن سچائی سچے لوگوں کے کام آئے گی، جس کی بدولت سچے لوگ اللہ رب العالمین کی بیش بہا اور لازوال نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے۔

(۶) اللہ کا خوف:

اللہ کا خوف یہ بھی فائزین بالجنۃ مومنین کی ایک صفت ہے کیونکہ اللہ کا خوف یہ بندے کو معصیت کے ارتکاب سے بچاتا ہے اور معصیت سے اجتناب و پرہیز جنت کی کامیابی اور جہنم سے نجات کا ذریعہ ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿قل اني أخاف ان عصيت ربي عذاب يوم عظيم، من يصرف عنه يومئذ فقد رحمه وذلك الفوز المبين﴾۔ (الانعام:۱۵-۱۶)

آپ کہہ دیجئے کہ میں اگر اپنے رب کا کہنا نہ مانوں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں، جس شخص سے اس روز وہ عذاب ہٹا دیا جائے تو اس پر اللہ نے بڑا رحم کیا اور یہ صریح کامیابی ہے۔ (ترجمہ مولانا جونا گڈھیؒ)

(۷) اللہ کا تقوی:

تقوی یہ بھی فائزین بالجنۃ کی صفات میں سے ایک صفت ہے، اللہ رب العالمین نے متقیوں کی کامیابی اور ان کو ملنے والی نعمتوں کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿ان المتقين في مقام أمين، في جنات وعيون، يلبسون من سندس واستبرق ومتقابلين، كذلك زوجناهم بحور عين، يدعون فيها بكل فاكهة آمنين، لا يذوقون فيها الموت الا الموتة الأولى ووقٰهم عذاب الجحيم، فضلا من ربك ذلك هو الفوز العظيم﴾۔ (۵۱-۵۷)

بے شک (اللہ سے) ڈرنے والے امن وچین کی جگہ میں ہوں گے، باغوں اور چشموں میں، باریک اور دبیز ریشم کے لباس پہنے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے، یہ اسی طرح ہے اور ہم بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے ان کا نکاح کر دیں گے، دل جمعی کے ساتھ وہاں ہر طرح کے میووں کی فرمائشیں کرتے ہوں گے، وہاں وہ موت چکھیں گے نہیں ہاں پہلی موت (جو وہ مر چکے) انہیں اللہ تعالی نے دوزخ کی سزا سے بچا دیا، یہ صرف تیرے رب کا فضل ہے، یہی ہے بڑی کامیابی۔ (مولانا جونا گڈھیؒ)

اسی طرح اللہ تعالی متقین کو دنیا وآخرت دونوں کی کامیابی کی خوشخبری دیتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿الذين آمنوا وكانوا يتقون، لهم البشرى في الحياة الدنيا وفي الآخرة لا تبديل لكلمات

الله ذلك هو الفوز العظيم﴾۔ (یونس:۶۳،۶۴)

یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور (برائیوں سے) پرہیز کرتے ہیں، ان کے لیے دنیاوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی خوش خبری ہے، اللہ تعالی کی باتوں میں کچھ فرق ہوانہیں کرتا، یہ بڑی کامیابی ہے۔ (ترجمہ مولانا محمد جونا گڈھیؒ)

(۸) جہاد فی سبیل اللہ:

جہاد فی سبیل اللہ یہ افضل اعمال میں سے ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے، انہوں نے اللہ کے رسول سے سوال کیا: "أي العمل أحب إلى الله تعالى؟ فقال: الصلاة لوقتها، قال: ثم أي؟ قال بر الوالدين، قال: ثم أي؟ قال: الجهاد في سبيل الله"۔ (متفق علیہ)

اللہ رب العالمین نے قرآن کے اندر جہاد فی سبیل اللہ کو قیامت کے دن بڑی کامیابی کا سبب بتلایا ہے۔

اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿لكن الرسول والذين آمنوا معه جاهدوا بأموالهم وأنفسهم وأولئك لهم الخيرات وأولئك هم الفلحون، أعد الله لهم جنات تجري من تحتها الأنهار خالدين فيها ذلك الفوز العظيم﴾ (التوبۃ:۸۸-۸۹)

لیکن خود رسول اور اس کے ساتھ ایمان والے اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں، یہی لوگ بھلائیوں والے ہیں اور یہی لوگ کامیابی حاصل کرنے والے ہیں، انہیں کے لیے اللہ نے وہ جنتیں تیار کی ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت میں اللہ رب العالمین نے جہاد فی سبیل اللہ کو کامیابی کا سامان بتلایا ہے، اور مجاہدین کے لیے اپنی نعمتوں اور اپنے انعام واکرم کا وعدہ فرمایا ہے اور اس کو بڑی کامیابی سے تعبیر فرمایا ہے۔

(۹) شیاطین کی مخالفت خواہ وہ انسانوں میں سے ہوں یا جنوں میں سے:

انس وجن میں سے شیاطین کی اتباع اور ان کی پیروی کو ترک کرنا ان کی مخالفت کرنا اور ان سے بغض وعداوت کا اظہار جنت کی کامیابی اور جہنم سے نجات کا باعث ہے۔

اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿فأقبل بعضهم على بعض يتساء لون، قال قائل منهم انى كان لي قرين، يقول إنك لمن المصدقين أإذا كنا ترابا وعظاما أإنا لمدينون، قال هل أنتم مطلعون، فاطلع فرآه في سواء الجحيم، قال تالله ان كدت لتردين ولولا نعمة ربي لكنت من المحضرين، أفما نحن بميتين الا موتتنا الأولى وما نحن بمعذبين، ان هذا لهو الفوز العظيم لمثل هذا فليعمل العاملون﴾۔ (الصافات:۵۰-۶۱)

جنتی ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے پوچھیں گے، ان میں سے کہنے والا کہے گا کہ میرا ایک ساتھی تھا جو (مجھ سے) کہا کرتا تھا کہ کیا تو (قیامت کے آنے کا) یقین کرنے والوں میں سے ہے، کیا جب کہ ہم مر کر مٹی اور ہڈی ہو جائیں گے، کیا اس وقت ہم جزاء دیئے جانے والے ہیں، کہے گا تم چاہتے ہو کہ جھانک کر دیکھ لو، جھانکتے ہی اسے بیچوں بیچ جہنم میں (جلتا

ہوا) دیکھے گا، کہے گا واللہ قریب تھا کہ تو مجھے (بھی) برباد کردے، اگر میرے رب کا احسان نہ تھا تو میں بھی دوزخ میں حاضر کئے جانے والوں میں ہوتا، کیا (یہ صحیح ہے) کہ ہم مرنے والے ہی نہیں؟ بجز پہلی ایک موت کے اور نہ ہم عذاب دیئے جانے والے ہیں پھر (تو ظاہر بات ہے کہ) یہ بڑی کامیابی ہے، ایسی (کامیابی) کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے۔ (ترجمہ مولانا محمد جوناگڈھیؒ)

(۱۰) صبر:

دسویں صفت صبر ہے۔

صبر یہ قیامت کے دن کی کامیابی کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔

اور صبر نفس کو جزع وفزع اور ناراضگی سے روکے رکھنا، زبان کو شکوہ وشکایت سے روکے رکھنا، اور اعضاء وجوارح کو اللہ اور اس کے رسول کی معصیت ونافرمانی سے روکے رکھنے کا نام ہے۔

اسی اساس پر صبر کی تین قسمیں ہوتی ہیں:

(۱) اللہ رب العالمین کی اطاعت پر صبر کرنا (۲) اللہ رب العالمین کی معصیت سے صبر کرنا (۳) اللہ کی ابتلاء وآزمائش پر صبر کرنا۔

اللہ رب العالمین نے صبر کو جنت کی کامیابی اور جہنم سے نجات کے اسباب میں سے ایک سبب بتلایا ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿وانه كان فريق من عبادي يقولون ربنا آمنا فاغفر لنا وارحمنا وأنت خير الراحمين، فاتخذتموهم سخريا حتى انسوكم ذكرى وكنتم منهم تضحكون، انى جزيتهم اليوم بما صبروا أنهم هم الفائزون﴾۔ (المومنون:۱۰۹-۱۱۱)

میرے بندوں کی ایک جماعت تھی جو برابر یہی کہتی رہی کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لا چکے ہیں تو ہمیں بخش اور ہم پر رحم فرما تو سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے، (لیکن) تم انہیں مذاق میں ہی اڑاتے رہے، یہاں تک کہ (اس مشغلے نے) تم کو میری یاد (بھی) بھلادی اور تم ان سے مذاق ہی کرتے رہے، میں آج انہیں ان کے اس صبر کا بدلہ دے دیا ہے کہ وہ خاطر خواہ اپنی مراد کو پہنچ چکے ہیں۔ (ترجمہ مولانا محمد جوناگڈھیؒ)

یہ فائزین بالجنۃ کے دس اوصاف ہیں جن کو اللہ رب العالمین نے قرآن مجید کے اندر بے شمار مقامات پر ذکر کیا ہے، یہی وہ قواعد وضوابط ہیں جن کو ایک انسان اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنا کر کے ایک کامیاب وکامران زندگی بسر کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی اخروی اور ابدی زندگی کو بھی اللہ رب العالمین کی لازوال نعمتوں سے اور اس کی بیش بہا انعام واکرم کا مستحق بنا سکتا ہے۔

اللہ رب العالمین سے دعا ہے کہ اللہ تعالی ہم سب کو ان اوصاف کو اپنانے اور ان کا پیکر عمل بننے کی توفیق دے، آمین۔

☆☆☆

اخبار جامعہ

دارالعلوم احمدیہ سلفیہ کے سیمینار میں جامعہ سلفیہ بنارس کے وفد کی شرکت:

ملک کا مشہور سلفی ادارہ دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ بہار میں ایک علمی سیمینار بتاریخ ۲۶-۲۷/ مارچ ۲۰۱۱ء کو منعقد ہوا، جس کا عنوان ''اسلام اور حقوق انسانیت'' تھا، اس سیمینار میں جامعہ سلفیہ بنارس کا تین رکنی وفد صدر جامعہ سلفیہ ڈاکٹر جاوید اعظم، مولانا عبد السلام مدنی اور شیخ اسعد اعظمی پر مشتمل شریک ہوا۔

سیمینار کے افتتاحی اجلاس کی صدارت صدر جامعہ سلفیہ نے فرمائی جبکہ مولانا عبدالسلام صاحب مدنی نے دعوتی جلسہ کو خطاب فرمایا اور شیخ اسعد اعظمی صاحب نے اپنا مقالہ سیمینار کی ایک نشست میں ''اسلام اور حقوق اطفال'' کے عنوان سے پیش کیا۔

امام حرم مکی کی ہندوستان تشریف آوری اور جامعہ سلفیہ کے وفد کی آپ سے ملاقات:

مسجد حرام مکہ مکرمہ کے ہر دل عزیز امام وخطیب ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز السدیس حفظہ اللہ وتولاہ اپنے چار روزہ دورے پر ہندوستان تشریف لائے، دہلی کے بین الاقوامی ایئر پورٹ پر آپ کا شاندار استقبال کیا گیا، دوران قیام آپ نے اسلامی مراکز وجمعیات کو شرف بخشا اور بعض مسلم سیاسی رہنماؤں کے عشائیہ میں بھی شریک ہوئے اور آپ کی ملاقات وزیر اعظم ہند اور بعض وزراء سے بھی ہوئی، ملک کی میڈیا نے بھی اس دورہ کو اچھا کوریج دیا۔

دہلی میں سعودی سفیر جناب فیصل بن حسن طراد نے آپ کی تشریف آوری کی مناسبت سے آپ کے اعزاز میں ایک شاندار دعوت کا اہتمام کیا جس میں ملک کے کئی بڑے اداروں کے ذمہ داران کو بھی مدعو کیا گیا، ناظم جامعہ سلفیہ مولانا عبداللہ سعود سلفی صاحب اس دعوت پر تشریف لے گئے، نیز مرکزی جمعیت اہل حدیث کی جانب سے بتاریخ ۲۷/ مارچ ۲۰۱۱ء بروز اتوار جمعیت کے اوکھلا کمپلیکس میں امام موصوف کو ایک شاندار استقبالیہ دیا گیا، جس میں جمعیت کے ذمہ داران کے علاوہ جامعہ سلفیہ کا اعلی سطحی وفد صدر جامعہ، ناظم جامعہ اور شیخ اسعد اعظمی پر مشتمل شریک ہوا اور اس پروگرام میں محترم ناظم صاحب نے آپ کی شان میں جامعہ کی طرف سے تحریری طور پر ترحیبی کلمات پیش کیا، واضح ہو کہ امام محترم اس سے قبل ۱۴/ اپریل ۱۹۸۵ء میں جامعہ سلفیہ کو بھی اپنے شرف قدوم سے نواز چکے ہیں۔

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کا سالانہ امتحان

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں رواں تعلیمی سال کا سالانہ امتحان کا آغاز ۱۱/ مئی ۲۰۱۱ء مطابق ۷/ جمادی الآخرۃ ۱۴۳۲ھ بروز بدھ شروع ہوگا، اور ۲۲/ مئی ۲۰۱۱ء مطابق ۱۸/ جمادی الآخرۃ ۱۴۳۲ھ کو اختتام ہوگا، ان شاء اللہ۔

روزانہ ایک پرچہ کا امتحان ہوگا، نیز جمعہ کے روز بھی امتحان ہوگا۔

امتحان کی تیاری کے لیے ۷/ مئی ۲۰۱۱ء مطابق ۳/ جمادی الآخرۃ ۱۴۳۲ھ سے ۱۰/ مئی ۲۰۱۱ء مطابق ۶/ جمادی الآخرۃ ۱۴۳۲ھ تک تعطیل رہے گی۔ (ادارہ)

☆☆☆

لجنۃ الثقافۃ کی رپورٹ

خیر الاسلام بحر الحق رمتعلم جامعہ سلفیہ

بتاریخ ۳ رمارچ ۲۰۱۱ء بروز جمعرات ''لجنۃ الثقافۃ'' کی چھٹی نشست جامعہ کے پرشکوہ جامع مسجد میں منعقد ہوئی، صدارت کے فرائض فضیلۃ الشیخ جناب مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی رحفظہ اللہ وتولاہ نے انجام دیئے۔

پروگرام کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) تلاوت کلام پاک	اکبر علی اختر علی رع۱
(۲) نظم	منظور عالم ف۲
(۳) شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کی حدیثی خدمات	نسیم اختر عبد المجید رع۲
(۴) دنیا میں جمہوری انقلابات (مکالمہ)	فصیح الرحمٰن محمد انسان رف۲، ابوطلحہ محمد ابراہیم رف۲
(۵) مزاروں کی سیر حق یا باطل؟ (مکالمہ)	خیر الاسلام بحر الحق ف۳، ابوالکلام محمد مسلم رف۲
(۶) سامعین سے سوال وجواب	مستفیض الرحمٰن محمد ریحان رف۲

(۷) عربی وانگلش اور اردو برجستہ تقاریر:

پروگرام کا یہ کالم حسب روایت نہایت ہی عمدہ رہا، ہونہار طلبہ کی ایک بڑی تعداد نے اس میں بڑے جوش وخروش کے ساتھ شرکت اور اپنا علمی جوہر دکھایا۔

عربی برجستہ تقریر کے شرکاء درج ذیل ہیں:

(۱) نسیم اختر عبد المجید ع۲	أهمية الصلاة مع الجماعة
(۲) حسان ابوالمکرّم ع۲	أهمية الرياضة البدنية
(۳) فرحان عبد المجید ع۲	آداب تلاوة القرآن الكريم

انگلش برجستہ تقریر میں حصہ لینے والے طلبہ کے اسماء درج ذیل ہیں:

(۱) پرویز عالم شفیق عالم ف۱	The importance of study
(۲) طریف الزماں ابوطاہر ع۲	The importance of tear
(۳) پرویز عالم بھولا میاں ف۱	The neccesity of peace & harmoney
(۴) زبیر احمد ث۲	The power of Dua
(۵) مشکور عالم ع۱	The importance of good character

اردو برجستہ تقریر کے مشترکین مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) طارق اسعد اسعد اعظمی	اسلام میں مسجدوں کا احترام
(۲) عبد العظیم	وقت کی اہمیت
(۳) نثار احمد	

(۸) پروگرام کی آخری کڑی خبر نامہ تھی جسے برادر محترم ابوطلحہ محمد ابراہیم ف۲ نے بڑے پرلطف انداز میں پیش کی۔

آخر میں صدر محترم کا بصیرت افروز خطاب دنیا میں جمہوری انقلابات کے عنوان پر ہوا جس میں آپ نے جمہوریت کا معنی ومفہوم اور اس کے فوائد ونقصانات کو پیش کیا، ساتھ ہی برجستہ تقاریر کے مشترکین کو داد تحسین سے نوازا اور ہر طالب علم کو اس طرح کے پروگرام میں شرکت کرنے کی تاکید فرمائی۔

☆☆☆

عالم اسلام

ظل الرحمٰن رسنٹرل لائبریری جامعہ سلفیہ

☆ **امام حرم کا دورۂ ہند:**

۲۵ تا ۲۸ / مارچ ۲۰۱۱ء کو خانۂ کعبہ کے امام محترم نے ہندوستان کا چار روزہ دورہ کیا۔

مسلمانان عالم کے نزدیک نہایت عقیدت واحترام کی نگاہ سے دیکھے جانے والے امام حرم عالی مرتبت فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز السدیس کی ہندوستان میں حالیہ تشریف آوری کو کئی اعتبار سے بامعنی، مفید اور ثمر آور کہا جاسکتا ہے، انہوں نے اپنے قیام کے دوران ہند سعودی عرب تعلقات کو مضبوط تر بنانے، ہندوستانی مسلمانوں کو کلمۂ واحدہ کی بنیاد پر متحد ومنظم رہنے اور مسلمانوں کو اسلامی زندگی گذارنے، کے جو زریں پیغامات دیئے ہیں، اس کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ ان کا یہ دورہ نہ صرف میزبان مسلم اداروں، بلکہ ملک کے لیے بھی مفید اور دوررس نتائج کا حامل رہا۔

امام حرم نے صحابہ کی عظمت بیان کرتے ہوئے کہا کہ:

''صحابہ کی محبت ہمارا جزء ایمان ہے، اگر صحابہ نہ ہوتے تو اللہ کے رسول کا دین ہم تک نہ پہنچتا، آج اگر یہ دین زندہ ہے تو صحابہ کرام کی بے لوث جہد مسلسل کا نتیجہ ہے، امام حرم نے نصیحت کی کہ والدین اور اساتذہ کو چاہئے کہ بچوں کو صحابہ کرام سے محبت کرنے کی تعلیم دیں، اور انہیں صحابہ کی زندگی اور دین کے لیے ان کی قربانیوں سے واقف کرائیں، انہوں نے کہا کہ ہمیں صحابہ کرام کو لعن طعن سے بچانے کے لیے مجلسوں اور اداروں کا قیام کرنا چاہئے، امام کعبہ نے یہ بھی مشورہ دیا کہ صحابہ کی زندگیوں اور ان کی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے چینل قائم کرنا چاہئے، علاوہ ازیں مدارس کے نصاب میں بھی صحابہ کرام کی زندگی کے کچھ حصوں کو شامل کیا جانا چاہئے۔

☆ **اسلام سراپا امن کا مذہب، مسلمان اپنا احتساب کریں: (جسٹس راجندر سچر)**

دہلی ہائی کورٹ کے سابق جج اور سچر کمیٹی کے سربراہ جسٹس راجندر سچر نے عوام سے ناانصافی کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی اپیل کرتے ہوئے کہا: ناانصافی اور امن ایک ساتھ نہیں چل سکتے، اور امن اس وقت تک ممکن نہیں، جب تک ناانصافی کا خاتمہ نہ ہوجائے، جسٹس راجندر سچر انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز کی سلور جبلی تقریبات کے سلسلے میں جاری تین روزہ پروگرام کے دوسرے دن ''امن کے لیے مستقبل کا روڈ میپ'' کے موضوع پر سیمینار کی صدارت کررہے تھے، انہوں نے مزید کہا کہ: اس ملک پر مسلمانوں کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا کسی دوسرے کا، ہمارا آئین ہر شہری کو برابری کا حق دیتا ہے، اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اسلام سراپا امن کا مذہب ہے، تاہم انہوں نے مسلمانوں سے اپنا احتساب کرنے پر زور دیتے ہوئے کہا کہ یہ دیکھنا ضروری ہے کہ آپ اپنے مذہب کی بتائی ہوئی تعلیمات پر کتنا عمل پیرا ہیں۔ (آواز ملک بنارس ۱۷ / اپریل ۲۰۱۱ء)

☆ **عظمت صحابہ واہل بیت کانفرنس میں الشیخ عبدالغنی البکری کا خطاب:**

لکھنؤ میں ۱۰ / اپریل کو ریاستی جمعیت اہل حدیث کے زیر اہتمام منعقدہ آل انڈیا عظمت صحابہ واہل بیت کانفرنس میں سعودی اسکالر فضیلۃ الشیخ ماجد عبدالغنی البکری حفظہ اللہ امام وخطیب مسجد حی السبیل جدہ نے اپنے بیان میں کہا: ''اصحاب رسول اور اہل بیت کے مراتب عظیم ہیں، رسول اکرم ﷺ نے اہل بیت کی بڑی اہمیت بتائی ہے اور صحابہ کرام وخلفائے راشدین ہمیشہ اس کی پاسداری کرتے رہے، دونوں کے درمیان بڑی محبت تھی، کہیں سے کوئی اختلاف نہیں تھا، بخاری، ترمذی اور سنن ابوداود کے مطالعہ سے دونوں کے مراتب کا اندازہ ہوتا ہے، انہوں نے حکومت ہند کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اس ملک میں جمہوریت ہے، اور سب کو اپنے عقائد کے مطابق عبادت کرنے کا حق حاصل ہے۔

(راشٹریہ سہارا لکھنؤ، ۱۱ / اپریل ۲۰۱۱ء)

☆☆☆

غزل

نیر واحدیؔ
استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

فراق یار کی سوزش میں جل ذرا اے دل
مثال شمع فروزاں پگھل ذرا اے دل

جہاں میں مرگ سے پہلے جمود کیا معنی
کسی کے ذوق طلب میں مچل ذرا اے دل

مثال بوئے گل تر ذرا پریشاں ہو
حصار شام وسحر سے نکل ذرا اے دل

تخیلات میں کر پیدا وسعت صحرا
تفکرات کا محور بدل ذرا اے دل

رہ وفا سے نہ بہکیں قدم کہ یہ دنیا
طلسم ہوشربا ہے سنبھل ذرا اے دل

پھر آج ہے دل نیرؔ اسیر غم شاید
تو چھیڑ پھر کوئی رنگیں غزل ذرا اے دل

☆☆☆

باب الفتاوی

سوال: نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا شرعا کیا حکم ہے؟ کتاب وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

الجواب بعون اللہ الوھاب ومنہ الصدق والصواب:

اولا: صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ نماز جنازہ ادا کرنا مسلمان کا حق ہے اور حق کی صحیح ادائیگی تب ہی ہوگی جب اسے رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق ادا کیا جائے، دور حاضر میں عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ جنازہ پڑھنے کے لیے ایک تو افراد کی بہت کمی ہوتی ہے، لوگ اسے فرض کفایہ سمجھ کر بہت اہمیت نہیں دیتے، دوسری بات اینکہ جنازہ پڑھنے پڑھانے والے حضرات بھی عجلت سے کام لیتے ہیں اور جلدی میں نماز جنازہ پڑھ کر فارغ ہو جاتے ہیں، حالانکہ میت کے ساتھ صحیح وفاداری تب ہی ہوگی جب اس آخری وقت میں اس کا جنازہ سنت کے مطابق اطمینان سے ادا کیا جائے۔

ثانیا: نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی دوسری سورہ پڑھیں، کیونکہ ہر نماز کی طرح اس نماز میں بھی سورہ فاتحہ پڑھنا لازم وضروری ہے، نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے دلائل تو بہت ہیں، لیکن میں ان میں سے چند پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں، ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) حضرت طلحہ بن عبداللہ بن عوف کہتے ہیں:

"صليت خلف ابن عباس ؓ على جنازة فقرأ بفاتحة الكتاب قال لتعلموا أنها سنة"۔ (صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب قراءۃ الفاتحۃ علی الجنازۃ، ح: ۱۳۳۵، ابوداود ح ۳۱۹۸) یعنی میں نے حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کے پیچھے نماز جنازہ پڑھی، انہوں نے سورہ فاتحہ پڑھی اور فرمایا: (یہ اس لیے ہے) تاکہ تم جان لو کہ یہ سنت نبوی ہے۔

(۲) حضرت طلحہ بن عبداللہ بن عوف ہی بیان کرتے ہیں:

"صليت خلف ابن عباس على جنازة فقرأ بفاتحة الكتاب وسورة وجهر حتى أسمعنا فلما فرغ أخذت بيده فسالته قال سنة وحق"۔ (نسائی، کتاب الجنائز، باب الدعاء ح ۱۹۸۹، ۱۹۸۹) یعنی میں نے عبداللہ بن عباس ؓ کے پیچھے نماز جنازہ ادا کی تو انہوں نے اس میں سورہ فاتحہ اور دوسری سورت جہری طور پر پڑھی، حتی کہ ہمیں سنایا، جب فارغ ہوئے تو میں نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اس کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: یہ سنت اور حق ہے۔ اور ایک روایت میں بھی یہی الفاظ موجود ہیں۔ (دارقطنی ۲/۷۲، کتاب الام للشافعی ۱/۲۷۰، بیہقی ۴/۳۹)

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے جنازہ کی نماز میں سورہ فاتحہ پڑھ کر یہ تعلیم دی کہ سورہ فاتحہ جنازہ میں پڑھنا سنت ہے اور جب صحابی رسول ﷺ کہیں کہ یہ سنت ہے تو اس سے مراد وہ سنت نہیں ہے جو فقہاء کے نزدیک واجب اور فرض کے مقابل میں ہے بلکہ اس سے مراد سنت رسول ہوتی ہے جو واجب بھی ہوتی ہے، جیسا کہ ایک صحیح حدیث کے اندر ہے کہ حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر ؓ کہتے ہیں:

''جس سال حجاج بن یوسف عبداللہ بن زبیر ؓ سے جنگ کرنے کے لیے مکہ مکرمہ میں اترا، اس زمانہ میں اس نے عبداللہ بن عمر ؓ سے سوال کیا، عرفہ کے دن آپ عرفات کی قیام گاہ میں کیا کرتے ہیں؟ سالم نے کہا: 'اگر تو سنت چاہتا ہے تو عرفہ کے دن ظہر کی نماز کو جلدی ادا کر لے۔ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے کہا: 'سالم نے سچ کہا ہے، کیونکہ سنت نبوی ادا کرنے کے لیے لوگ ظہر اور عصر کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھیں''، امام ازہری ؒ فرماتے ہیں: ''میں نے سالم سے پوچھا: ''کیا رسول اللہ ﷺ نے ایسا کہا تھا؟ تو حضرت سالم نے کہا: "هل تتبعون في ذلك إلا سنة"۔ (صحیح بخاری، کتاب الحج، باب الجمع بین الصلاتین بعرفۃ ح ۱۶۶۲) یعنی اس فعل سے مراد

محض سنت کا اتباع ہی تو ہے، اس سے بھی واضح طور پر معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ جب مطلق طور پر لفظ سنت بولتے ہیں تو اس سے مراد نبی کریم ﷺ کی سنت ہی ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث کے تحت امام حاکمؒ فرماتے ہیں: "وقد أجمعوا على أن قول الصحابي سنة حديث مسند" (مستدرک حاکم: ۳۵۸/۱) یعنی فقہاء ومحدثین کا اس بات پر اجماع ہے کہ صحابی کا یہ کہنا کہ یہ سنت ہے، مسند حدیث کے حکم میں ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ: "وأصحاب النبي ﷺ لا يقولون السنة الا لسنة رسول الله ﷺ إن شاء الله تعالى" (الام ۲۴۰/۱، نصب الرایۃ ۲۰۱/۲) یعنی نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام سنت کا لفظ صرف سنت رسول ﷺ پر ہی بولتے ہیں ان شاء اللہ تعالی۔ (مزید تفصیل کے لیے: عمدۃ القاری ۱۴۰/۸، المجموع ۲۳۲/۵، فتح القدیر شرح ہدایہ ۹۵/۲، نصب الرایہ، فتح الباری ۳/ ۲۰۴، الباعث الحثیث، بذل المجہود ۱۲۶/۲، ارشاد الفحول وغیر کتب کا ملاحظہ فرمائیں)۔

لہذا تمام تفصیل سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا رسول اکرم ﷺ کا معمول تھا۔

(۳) ابوامامہ بن سہل بن حنیفؒ فرماتے ہیں: "السنة في الصلاة على الجنائز أن يكبر ثم يقرأ بأم القرآن ثم يصلي على النبي ﷺ ثم يخلص الدعاء للميت ولا يقرأ إلا في التكبيرة الأولى ثم يسلم في نفسه عن يمينه" (فتح الباری ۲۰۳/۳، نسائی ح ۱۹۹۱، مصنف عبدالرزاق ح ۶۴۲۸) نماز جنازہ میں سنت طریقہ یہ ہے کہ پہلے تکبیر کہیں پھر سورہ فاتحہ پڑھیں، پھر (دوسری تکبیر کے بعد) نبی ﷺ پر درود پڑھیں پھر (تیسری تکبیر کے بعد) میت کے لیے خلوص کے ساتھ دعاء کریں، پہلی تکبیر کے سوا کسی میں قرأت نہ کریں، پھر آہستہ سے دائیں جانب سلام پھیر دیں۔

اب چند اکابر علماء کرام کے اقوال بھی ملاحظہ فرمائیں:

علامہ عبدالحئی لکھنویؒ فرماتے ہیں: "هذا هو الأولى لثبوت ذلك عن رسول الله ﷺ وأصحابه"۔ (التعلیق الممجد ص ۱۶۹) یعنی نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا ہی اولی ہے، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے۔

علامہ عینی حنفیؒ فرماتے ہیں کہ امام ابن منذر نے حضرت عبداللہ بن مسعود، حسن بن علی، عبداللہ بن زبیر اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہم کا نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا نقل کیا ہے اور یہی بات امام شافعی اور امام اسحاق بن راہویہؒ نے بیان کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ۱۳۹/۸)

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: "ومن السنة قراءة الفاتحة لأنها خير الأدعية وأجمعها" (حجۃ اللہ البالغۃ ۳۶/۲)

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے لکھا ہے کہ: ''پہلی تکبیر میں سورہ فاتحہ پڑھی جائے گی۔'' (غنیۃ الطالبین ۱۳۳/۲)

مذکورہ بالا تمام صحیح احادیث وآثار اور اکابر علماء کرام کے فتاوی سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ائمہ دین کا معمول وطریقہ ہے، اس لیے نماز جنازہ کی پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورہ پڑھی جائے گی، یہ یاد رہے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر جس طرح کوئی نماز نہیں ہوتی ہے، یہ نماز بھی اس کے بغیر صحیح ودرست نہیں ہوگی۔

ھذا ما عندی واللہ أعلم بالصواب

ابوعفان نورالہدی عین الحق سلفی مالدہی

استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

☆☆☆